امت کے معروف علما کی تشریحات وتعلیقات کے ساتھ

صحیح دُعائیں اور اَذکار

ماخوذ از کتب

فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

جمع وتعلیق وتخریج

محمد السید

ترجمہ وتفہیم

پروفیسر ظفر اقبال

امت کے معروف علماء کی تشریحات و تعلیقات کے ساتھ

صحیح دعائیں اور اذکار

جمع از کتب

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

جمع و تخریج و تعلیق

محمد السید

ترجمہ و تفہیم

پروفیسر ظفر اقبال

مراجعہ و تقدیم

شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی

فہرست مضامین

- مقدمہ 15
- دعا اور ذکر 18

صبح وشام کے اذکار

- فطرت اسلام پر صبح کرنا 27
- صبح وشام کی دعائیں اور اذکار 31
- صبح وشام میں رسول اللہ ﷺ کی دعائیں 33
- سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت 36
- برے اعمال کے شر سے پناہ مانگنا 37
- مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی دعا 42
- نقصان سے پناہ مانگنے کی دعا 44
- ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے 47
- سید الاستغفار 49
- معوذتین اور سورت اخلاص کی فضیلت 55
- لا إلٰه إلا اللّٰه کی فضیلت 62
- سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ کی فضیلت 64

سونے اور جاگنے کے اذکار

- سونے کے وقت رسول اللہ ﷺ کی دعا 68
- سونے کے آداب 71

- سونے کے اذکار 74
- بیداری کے وقت ذکر کی فضیلت 76
- نیند سے بیدار ہونے کی دعا 78

بیت الخلاء میں آنے جانے کی دعائیں

- بیت الخلا جانے کی دُعا 81
- بیت الخلا سے نکلنے کی دُعا 83

لباس سے متعلق دعائیں

- لباس پہننے کی دُعا 85
- لباس اُتارتے وقت کی دُعا 86
- نیا لباس پہننے کی دُعا 87
- نیا لباس پہننے والے کو دُعا 90

کھانے پینے کے اذکار

- کھانا شروع کرنے سے پہلے کی دُعا 91
- دودھ پینے کی دعا 93
- کھانے اور پینے کے بعد کی دعائیں 94
- کھانے اور پینے کے بعد کی دعا 97
- کسی کے ہاں افطاری کی دُعا 99
- کھانا پینا طلب کرنے کے وقت کی دعا 101
- جب کسی کے گھر میں نیک مہمان آجائیں تو وہ کیا کہے 105
- روزہ افطار کرنے کی دُعائیں 113

گھر سے متعلق دُعائیں

- گھر سے نکلنے کی دعا کی فضیلت 114
- گھر سے نکلتے وقت کی دُعا 116
- گھر میں داخل ہونے کی دعا (کی فضیلت) 118

وضو سے متعلقہ دعائیں

- وضو سے پہلے کی دُعا 120
- وضو کے بعد کی دُعائیں 123
- وضو کے بعد دعا کرنے کی فضیلت 127

مسجد اور اذان سے متعلق دعائیں

- مسجد کی طرف جانے کی دُعا 129
- مسجد میں داخل ہونے کی دُعا 131
- مسجد سے نکلنے کی دُعا 131

اذان سننے کے وقت کی دعائیں

- اذان سننے کے وقت کی دعائیں 133
- اذان سننے کی دعا 136
- اذان کے بعد کی دعا 138
- اذان کے بعد کی دعا 140
- اذان اور اقامت کے درمیان دعا کی فضیلت 143

نماز اور اس کے بعد کی دُعائیں واذکار

- نماز شروع کرنے کی دعا 145

نماز شروع کرنے کی ایک دوسری دعا 147
- نمازِ تہجد کی دُعا 149
- رکوع اور سجدے کی دعائیں 163
- رکوع کی دعائیں 167
-
- رکوع سے اٹھنے کی دعا 169
- رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنے کی فضیلت 175
- رکوع سے اٹھتے ہوئے عاجزی وانکساری 177
- سجدہ میں دعا کرنے کی فضیلت 180
- سجدہ کے اذکار 182
- دوسجدوں کے درمیان دُعا 185
- تہجد کی نماز میں رکوع اور سجدہ کی دعائیں 186
- رکوع اور سجدہ میں تلاوت قرآن کی ممانعت 190
- تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے کی دُعائیں 191
- نماز میں شیطانی وسوسوں سے نجات 195
- فرض نماز کے بعد اذکار کی فضیلت 196
- نماز کے بعد ذکر واستغفار 200
- نماز کے بعد توحیدِ الٰہی 203
- حضرت معاذ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیت 208
- نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال 211
- نماز کے بعد قرآن میں سے کیا پڑھے؟ 213
- نمازوں کے بعد تسبیح بیان کرنا 214
- نماز چاشت کے بعد کے اذکار 217

سفر کے اذکار

- سواری پر سوار ہونے کی دعا 220
- مسافر کے لیے کیا دعا کی جائے؟ 222
- مسافر کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیت 224
- سفر کے وقت کی دعا 226
- دورانِ سفر تسبیح وتکبیر 229
- دوران سفر صبح کے وقت کی دُعا 229
- دوران سفر کسی جگہ ٹھہرنے کی دُعا 231
- سفر سے واپس آنے کی دعا 232

مختلف اقسام کے جامع اذکار

- تلاوت قرآن سے پہلے اور بعد کی دعائیں 235
- سجدہ تلاوت کے اذکار ودعائیں 237
- نماز استخارہ کی دعا 238
- کفارۂ مجلس کی دعا 242
- بازار میں داخل ہونے کی دُعا 249
- جانور خریدنے کے وقت کی دعا 252
- چھینک کی دُعا 253
- جب کافر کو چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو...... 257
- مریض کے لیے دعا 258
- جو انسان زندگی سے ناامید ہو گیا ہو تو وہ کیا کہے؟ 260
- مصیبت زدہ کو دیکھنے کے وقت کی دُعا 263

- ’’مجھے تم سے اللہ کے لیے محبت ہے‘‘ کہنے والے کو دُعا 265
- جو انسان آپ کے لیے اپنا مال پیش کرے اس کے لیے دعا 266
- ادائیگی قرض کے وقت قرض لینے والے کے لیے دُعا 267
- شرک سے خوف کی دعا 268
- بدشگونی کی ناپسندیدگی کی دُعا 270
- تیز ہوائیں چلنے پر دُعا 272
- بادل گرجنے پر دُعا 274
- بارش طلب کرنے کی دُعائیں 276
- چاند دیکھنے کی دُعا 277
- فکرمندی اور غم کی دُعائیں 279
- بےقراری اور بےچینی کی دُعائیں 283

عرضِ ناشر

دعا ایک اہم ترین عبادت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فضل وکرم کے لیے مشروع فرمایا ہے اور دعا کے آداب ذکر کیے ہیں۔ زمان و مکان کی افضلیت کے ساتھ اور مطلق طور پر دعا کی ترغیب دی ہے۔لیکن شیطان نے لوگوں کے لیے طیب کے بدلے خبیث کو مزین کر کے پیش کیا ہے چنانچہ لوگوں نے مسجد وسجدہ میں یا وقت تہجد دعا کرنے کی بجائے قبوں، مزاروں، آستانوں پر دعا کرنا شروع کر دیا ہے اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہاں دعا جلد قبول ہوتی ہے بلکہ ستم پر ستم یہ ہے کہ ان قبروں کو اور مردوں کو مدد کے لیے پکارا جانے لگا اور زیارت قبور کے شرعی آداب سے پہلو تہی کر لی گئی۔ مردوں کے لیے بخشش کی دعا کی جائے انھیں وسیلہ بنا کر ان سے مانگا جانے لگا۔علم سلف کے وارث شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ’’میرے علم میں نہیں کہ کسی صحابی کا بھی یا معروف امام نے کبھی کسی قبر کی طرف قصد دعا کیا ہو اور نہ ہی ایسی کوئی روایت مروی ہے لوگوں نے دعا کے آداب، اوقات، مقامات وغیرہ پر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں آثار بھی مذکور ہیں لیکن ان میں سے کسی نے قبر کے پاس دعا کی فضیلت میں ایک حرف تک نقل نہیں کیا۔ مشروع دعاؤں میں ہر طرح کی ضرورت وحاجات کی دعائیں، صبح وشام کی دعائیں بلکہ ہر ہر لمحے کی دعائیں اور اذکار موجود تھے لیکن شیطان نے جب بدعت کو لوگوں کے دلوں میں محبوب بنا دیا تو لوگوں نے مشروع دعاؤں سے اعراض کرنا شروع کر دیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے

دلوں میں دعا وغیرہ جیسی عبادات میں بدعات کو پسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسنون عبادات سے اعراض برتتے ہیں۔ وگرنہ جو شخص پنج وقتہ نماز میں صحیح توجہ کرے، ان میں موجود کلمات پر غور وفکر کرے اور اس کا صحیح اہتمام کرے تو اسے دوسری کسی من گھڑت خیر کی ضرورت نہ رہے (کیونکہ ان میں ہر طرح کی خیر موجود ہے) لہٰذا عقلمند انسان کو ہر وقت اتباع سنت کو ترجیح دینی چاہیے اور ہر اس عمل کو چھوڑ دینا چاہیے جس میں بدعت کا شائبہ تک بھی ہو اور جو شخص خیر کا طالب ہو، اسے خیر ضرور ملتی ہے اور جو شر سے بچنا چاہے وہ شر سے بچ سکتا ہے۔ مشروع دعائے استخارہ میں بدعات کی پیوندکاری لگائی گئی مثلاً بعض لوگ کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کے پاس جا کر استخار کرنے لگے۔ بعض نے استخارہ میں اللہ، محمد، علی، ابوجہل وغیرہ ناموں کو معین کر کے اصل دعا کو چھوڑ دیا۔ بعض نے استخارہ کی دعا میں نیند اور اس سے پہلے یہ دعا وضع کر لی۔ یا اللہ! اگر یہ کام میرے لیے بہتر ہے تو مجھے خواب میں سفیدی، سبزی یا پانی دکھانا اور اگر یہ بہتر نہیں تو پھر مجھے سیاہ، دھواں یا کرخی دکھانا بعض نے قرآن کو یکسر لمحہ کھول کر کسی ایک آیت پر نظر پڑھتے ہی اس پر فال لینا شروع کر دیا۔ نماز استسقاء، اس کی دعا اور اس کے لیے میدان میں نکلنے کو بعض لوگوں نے شیخ کے روضہ پر جا کر دعا کروانے سے بدل لیا۔ بدعی دعاؤں کو اختیار کرنے والا ان فضائل اور اجر وثواب سے یکسر محروم کر دیا جاتا ہے۔ جو مشروع دعا کرنے والے کو حاصل ہوئے ہیں اور اس کے لیے رحمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں جبکہ بدعتی خطرے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دعا کا مقصود و مطلوب شرف قبولیت ہے لیکن بدعی دعاؤں والے کی سب دعائیں رد کر دی جاتی ہیں۔ دعا ایک اہم ترین عبادت ہے اور عبادات شارع کے حکم پر مبنی ہوتی ہیں جن میں خواہش نفس اور بدعت کو مطلق دخل نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں میانہ روی بدعت میں اجتہاد سے افضل ہے۔ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ متاخر صوفیاء میں کشف و مشاہدہ، حلول،

وحدۃ الوجود جیسے نظریات باطلہ در آئے اور انھوں نے رافضیوں کے اقوال کی پیروی کرتے ہوئے ان کے اماموں کے مقابلے میں اپنے قطب، ابدال وغیرہ کھڑے کر لیے اور صوفی بننے والوں کے لیے ٹاٹ وغیرہ کے کپڑے پہننا لازم قرار دے دیا اور بلا تحقیق یہ بات مشہور کردی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کو ایسا لباس پہننے کا حکم دیا تھا۔ معروف کرخی سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے بھتیجے کو وصیت کی کہ میری قبر پر آ کر مجھ سے دعا کرنا۔ (تاریخ بغداد)

اسی طرح شبلی نے ایک آدمی کو کہا کہ تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے، میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تم میری نگرانی میں رہو گے۔ (تلبیس ابلیس)

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اسلام کے دشمن بزور شمشیر مقابلے کرنے سے عاجز آ گئے تو انھوں نے اسلام اور مسلمانوں میں رخنہ ڈالنے کے لیے تشیع کو فروغ دیا۔ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرامطہ اور عبیدیوں کو کسریٰ کے خاندان کی ایک جماعت کی پشت پناہی حاصل ہوگئی، ان کے ساتھ کئی مجوسی بھی شامل ہوگئے اور یہ سب اسلام کے دشمن تھے اور اسلام سے اپنی حکومتوں کے تخت و تاراج کا بدلہ لینے کے لیے انھوں نے امامیہ کی مدد کی (المنتظم) اسی طرح بنو بویہ کے رافضیوں نے اپنے دور حکومت میں اپنے زعم باطل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر اور اس پر مزار بنایا جس کی عبادت اور طواف آج تک کیا جا رہا ہے غیر اللہ سے دعا مانگنا گویا اللہ کے بارے میں سوئے ظنی ہے کیونکہ کوئی بھی انسان جو غیر اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے خواہ اسے مختار کل سمجھتا ہو یا وسیلہ، اس نے گویا اللہ کے بارے میں یہ گمان کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انتظامات کے لیے وزیر و مشیر کا محتاج ہے۔ حالانکہ وہ تو اپنے سوا ہر کسی سے غنی اور لاپرواہ ہے یا اس نے یہ سوچ رکھا ہے کہ اللہ کی قدرت شرکاء کی قدرت کی محتاج ہے یا اللہ تعالیٰ کو اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک کہ کسی وسیلے سے اللہ کو باخبر نہ کیا جائے یا اللہ تعالیٰ اس وقت تک رحم نہیں کرتے جب تک کہ رحم کا واسطہ نہ ڈلوایا جائے یا اللہ

تعالیٰ تنہا بندے کی کفایت نہیں کرتا یا اس وقت تک بندے کے ارادے کی تکمیل نہیں فرماتا جب تک کہ کسی سردار (ولی) یا بادشاہ کی سفارش نہ کروائی جائے یا پھر اس وقت تک دعا قبول نہیں کرتا جب کہ مخلوق (غیر اللہ) کی طرف توجہ اور وسیلہ نہ پکڑلیا جائے جس طرح بادشاہوں تک پہنچنے کے لیے وسیلہ پکڑا جاتا ہے۔ غیر اللہ سے دعا کرنا اور پکارنا عقل وشرح ہر لحاظ سے قبیح وشنیع عمل ہے اور علمائے امت کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے والا شرک ہے اسی لیے کتاب وسنت میں تواتر کے ساتھ اس شنیع عمل سے روکا گیا ہے جس کا کوئی بھی صاحب فہم انکار نہیں کرسکتا اور شریعت اسلامیہ ہی کا خاصہ نہیں بلکہ تمام آسمانی شریعتوں میں غیر اللہ سے دعا کو شرک کہا گیا ہے مسلمانوں میں ایسے شرکیہ عقیدے روافض (غالی شیعہ) اور صوفیاء حضرات سے درآمد ہوئے کیونکہ ان لوگوں نے اپنے آئمہ میں علم غیب کی صفات کو داخل کیا جیسا کہ ایک منہ پھٹ اپنے جعلی امام مہدی کا قول لکھتا ہے ہم اگرچہ تم ظالموں سے بہت دور ہیں مگر تمہاری پل پل کی خبروں سے واقف ہیں۔ ہم تمہیں مہلت و رعایت دے رہے ہیں اور تمہیں بھولے نہیں ورنہ تم پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیے جاتے (معاذ اللہ) (الاحتجاج للطبرسی)

دعا کا توحید عبادت سے گہرا تعلق ہے بلکہ دعا کی دونوں قسمیں حدیث نبوی کے مطابق عبادت ہیں۔ توحید عبادت یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور دعا عبادت ہے لہٰذا صرف ایک اللہ سے دعا کی جائے۔ اگر کسی نے غیر اللہ سے دعا کی تو گویا اس نے توحید عبادت میں شرک کیا دعا ہی ایسی عبادت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تخلیق فرمایا۔ قرآن مجید کا آغاز و اختتام دعا کے ساتھ ہے۔ سورہ فاتحہ میں دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں موجود ہیں۔ پھر قرآن مجید کے اختتام پر سورۃ اخلاص اور معوذتین ہیں جن میں سورۃ الاخلاص دعائے عبادت پر اور معوذتین دعائے حاجت پر مشتمل ہیں دعا سے اللہ کی قدرت اور بندے کی عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ ابن نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دعا کے فوری فوائد میں سے ایک یہ

ہے کہ انسان کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ سمیع، قریب، قدیر، علیم اور رحیم ہے اور بندہ اپنی عاجزی، لاچاری اور درماندگی کا بھی اقرار کرلیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے الفرقان ٹرسٹ اللہ کے بندوں کی اصلاح کو مدنظر رکھتے ہوئے دن رات اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ صحیح دین فہمی کو اجاگر کیا جائے سنت نبوی سے لوگوں کو قریب کیا جائے یہ پرنٹ میڈیا کے بغیر ناممکن ہے اس بار ادارے نے دعا جیسے اہم موضوع کو چنا ہے۔ اس کتاب کی اہم خوبی محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی شخصیت بھی ہے کیوں نہ ہو آپ کو سنت نبوی سے خاص لگاؤ ہے اس کا ثبوت آپ کی پوری عمر تحقیق حدیث میں گزری ہے اور آج کے اس دور میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ جس کو اپنے رسول ﷺ کو سچا محبّ ہونا ہو وہ بغیر تحقیق کے اپنے نبی کی بات کو نہ مانے۔ سچی محبت کا تقاضا ہے آپ کی ہر بات کو قرآن اور صحیح سنت پر پرکھا جائے کیونکہ اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے کسی شخص کی نہیں وہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ ہی کے ماننے والوں نے سچائی کو جھوٹ کے ساتھ ملا دیا ہے آج ہر شخص پر واجب ہے اس دور میں جب کہ فرقہ پرستی کا زور ہے نت نئے نئے فرقے سامنے آرہے ہیں۔عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ اپنے نبی ﷺ سے محبت کرتے ہوئے اس کی حدیث کی حفاظت کی جائے کوئی بھی عمل اس وقت نہ کیا جائے جب تک پرکھ نہ لیا جائے آج ناممکن نہیں، آج جدید وسائل موجود ہیں اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ دین کے دکانداروں سے بچا جائے جو محبت کے نام پر جھوٹ کا سودا بیچ رہے ہیں۔آخر میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں جس جس نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا۔ خاص طور پر جناب عبد الرؤف بھائی کا جن کی خاص توجہ سے یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے اور قارئین کا بھی جن کو الفرقان ٹرسٹ کی ہر آنے والی کتاب کا انتظار رہتا

ہے اور میں ان علمائے کرام کا بھی شکر گزار ہوں جن کے مفید مشوروں سے ہم اہم ترین کتابیں لانے میں کامیاب ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم دین اسلام کی خدمت کرسکیں۔ آمین

آپ سب کا بھائی
عبدالجلیل ابوساریہ
سعودی عرب، ریاض

مقدمہ

حمد و ثناء رب جلیل کے لیے، اور درود و سلام ہو اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ ﷺ پر۔
دعا اور ذکر عبادت کی خاص اقسام میں سے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے عبادت کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر: ٦٠)

''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا میں جو وقت لگ جائے وہ بہترین وقت ہے۔ اور یہی وہ اعلیٰ لمحات حیات ہیں جن میں زندگی کی سانسیں صرف ہو جائیں۔ ایسا عمل جس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہو جائے وہ ایسی خیر کی کنجی ہے جس سے بندہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں سمیٹ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دعائیں اور اذکار شریعت اسلام میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے اس کا بڑا درجہ ہے۔ دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (الفرقان: ٧٧)

''فرما دیجیے! اگر تمہاری دعا التجا (پکارنا) نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری مطلق پروا نہ کرتا۔''

(مذکورہ بالا آیت میں) بڑے ہی فصیح و بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی عظمت؛ اس کی قدر ومنزلت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کرنے والے کی شان کو بیان فرمایا ہے۔

جب بھی کوئی دعا کرنے والا پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو سنتا ہے۔حتیٰ کہ کفار کی دعا بھی سنتا ہے۔ خاص طور پر جب کوئی مجبور اور بے قرار ہوکر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے (تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے) فرمایا:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ﴾

(النمل: ٦٢)

''بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ سختی کو دور کر دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴾ (العنکبوت: ٦٥)

''پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالی ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔''

اس کتاب میں ہم نے صحیح دعاؤں اور اذکار کو جمع کیا ہے۔اور ساتھ ہی موضوعات کے ابواب کو ترتیب دیا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والا آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر سکے۔ اور اس کے ساتھ ہی دعاؤں اور اذکار کی مختصر شرح بھی بیان کردی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے علمائے کرام کی تعلیقات کے علاوہ فوائد کو آخر میں بیان کردیا ہے تا کہ دعائیں مانگنے والے اور ذکر کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ وہ اپنے رب سے کیا مانگ رہا ہے۔ اور رب کی کن کن نعمتوں اور عظمتوں کو بیان کر رہا ہے۔

کتاب کی ترتیب میں طریقہ کار:

1. ایسی صحیح احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو دعاؤں اور اذکار کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ جس میں ہر حدیث کو ایک عنوان دیا گیا ہے تا کہ قاری کے سمجھنے میں آسانی ہو۔
2. نص حدیث یعنی حدیث کی عبارت کو اصل کے ساتھ موازنہ کر کے لکھا گیا؛ (جس سے غلطی کے امکانات کی راہیں مسدود ہوگئی ہیں)۔ اور اس کے ساتھ ہی مشکل الفاظ کے معانی کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی شرح بھی بیان کی گئی ہے۔ (اس حدیث کے متعلق) بڑے بڑے علماء کرام کی آراء ذکر کی ہے۔ اور پھر آخر میں حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد بھی بیان کیے گئے ہیں۔
3. قرآنی آیات لکھتے وقت سورت کا نام اور آیت نمبر بھی ساتھ ہی لکھ دیے ہیں۔
4. احادیث مبارکہ کو ان کے اصل مصادر کے حوالہ سے تحریر کیا ہے۔ وہ احادیث جو کہ بخاری و مسلم میں ہیں ان کی صحت کے لیے تو یہی کافی ہے کہ وہ صحیحین کی روایات میں سے ہیں، اور جو احادیث صحیحین کے علاوہ ہیں انہیں ان کے اصل مصادر کے علاوہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات اور ان کی طرف سے لگائے ہوئے حکم کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

آخر میں یہی عرض گزار ہوں کہ یہ ایک معمولی سی کوشش ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوئی ہے۔ اس میں جو بھی غلطی اور کوتاہی ہے وہ ہماری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش اور معافی کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری کوتاہیوں سے صرف نظر کرے۔ وہی ہمارا کارساز اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس کوشش کو اپنی رضا کے لیے خالص کر دے۔ وہی اللہ ہے جس کے لیے ہر قسم کی حمد و ثنا ہے، اور درود و سلام ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپ کی آل و اولاد اور صحابہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں نازل ہوں۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

دعا اور ذکر

دعا اور ذکر کی تعریف:

لغوی معنی:...... دعا لغت میں پکار اور طلب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شرعی معنی: ...... اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اس سے امید رکھتے ہوئے کسی ضرورت کے لیے سوال کرنا؛ (مثلاً) عمل کے قبول ہونے کے لیے، یا بخشش کے لیے؛ یا فائدہ کے حصول کے لیے؛ یا برائی کے ختم ہونے کے لیے؛ یا خطرات سے بچنے کے لیے؛ یا عذاب دور کرنے کے لیے؛ یا دنیا و آخرت میں اجر کے حصول کے لیے۔

دعا کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کم مائیگی اور ضرورت مندی کا اظہار؛ ہر قسم کی ذاتی قوت و طاقت سے برأت عبودیت کی نشانی ہے۔اور انسان کا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پستی کا شعور؛ اس کی حمد و ثنا اور سخاوت و کریمی کا اظہار یہ حقیقت میں دعا ہے۔

ذکر کا مفہوم:

غفلت اور نسیان سے گلو خلاصی۔

غفلت:...... انسان کے کسی چیز کو اپنے ارادہ اور اختیار سے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔

نسیان:...... انسان کے کسی چیز کو بغیر ارادہ و اختیار کے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔

ذکر کی اقسام:

پہلی قسم: ...... اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے معانی کو یاد کرتے رہنا؛ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا۔ اور ان (اسماء وصفات) میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو ملحوظ

رکھنا، اور ہر اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا جو کہ اس کے لائق نہیں ہے۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

اوّل:...... ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کو بیان کرے۔ ذکر کی یہ قسم احادیث میں مذکور ہے جیسے: سُبْحَانَ اللهِ ،وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ، وَاللهُ اَکْبَرُ۔

دوم:...... اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور ان کے احکام کی خبر ہونا۔ جیسا کہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اپنے بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے جو کہ گم سواری ملنے پر خوش ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی آوازوں کو سنتا ہے۔ اور ان کی حرکتوں کو دیکھتا ہے۔ اور ان کے اعمال میں سے کوئی چھپی ہوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے والدین سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

دوسری قسم: ...... امر و نہی اور حلال و حرام کا ذکر اور اس کے احکام کا تذکرہ کرتا ہے۔ انسان احکام پر عمل کرتا ہے، اور ممنوعات کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور حرام کو حرام جانتا اور حلال کو حلال سمجھتا ہے۔ (ایسا کرنا بھی ذکرِ الٰہی ہے)۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

1. اس کا یہ یاد رکھنا کہ اسے ایسی باتوں کا حکم دیا گیا ہے، اور ان باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور وہ اس چیز کو پسند کرتا ہے، اور اُس کو ناپسند کرتا ہے، اور اس پر راضی ہوتا ہے۔
2. اللہ تعالیٰ کا حکم آنے پر اسے یاد کرتا ہے، وہ اس کی طرف جلدی کرتا ہے، اور اس حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور جب کوئی نہی یا ممانعت آتی ہے تو وہ اس سے دور ہو جاتا ہے اور اسے ترک کر دیتا ہے۔

تیسری قسم: ...... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، احسانات اور نوازشات کو یاد کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کی سب جلیل القدر اقسام میں سے ہے۔ پھر اس کی تین اقسام ہیں:

---

[1] یہ بحث کچھ تصرف کے ساتھ کتاب "شروط الدعا و موانع الإجابة" اور شیخ سعید قحطانی کی کتاب "الدعاء من الكتاب و السنة" سے استفادہ کرتے ہوئے لکھی گئی ہے۔

① ایسا ذکر جس میں انسان کا دل اور زبان مشغول رہے۔ یہ سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

② صرف دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔ یہ دوسرے درجہ پر ہے۔

③ صرف زبان سے اس کا ذکر کرنا۔ یہ تیسرا درجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کا مقام:

اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں اپنی عبادت (بندگی) کے لیے رزق عطا کیا۔ اور انہیں اپنے تمام رسولوں کی زبانی-نیکیوں کی ترغیب اور برائیوں کا خوف دلاتے ہوئے- اپنی توحید بجالانے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔

ایسا اللہ تعالیٰ کی لوگوں کی طرف یا ان کی عبادت میں کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی کمالِ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عبادت منتخب قسم کے لوگوں کے لیے نشان منزل اور خوش بختوں کا عنوان بن جائے۔ اور ایسی نشانی ہو جائے جس سے خوش بختوں اور بدبختوں کے درمیان تمیز کی جائے۔

عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے کمالِ محبت اور اس کے سامنے کمال ذلت وکم مائیگی کا نام ہے۔ اور ہونا یہ چاہیے کہ یہ دونوں خوبیاں پورے انکسار، وخضوع اور تسلیم و رضا کیساتھ؛ شریعت پر مکمل عمل کرتے ہوئے اور منع کردہ چیزوں سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے اجر و ثواب کے حصول کے لیے اور عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے ہوں۔

دعا کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کی جملہ اقسام میں سے خاص کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے عبادت کا نام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر: ٦٠)

''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل

ہو کر جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔‘‘

دعا کی عظمت اور شان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (الفرقان : ۷۷)

’’فرما دیجیے! اگر تمہاری دعا التجا نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری مطلق پرواہ نہ کرتا۔‘‘

(مذکورہ بالا آیت میں) بڑے ہی بلیغ انداز میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی عظمت کو اجاگر کیا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا کرنے والے کا مقام و مرتبہ بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ جب بھی کوئی دعا کرنے والا پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو سنتا ہے۔ حتیٰ کہ کفار کی دعا بھی سنتا ہے۔ خاص طور پر جب کوئی مجبور اور بے قرار ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے (تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے) فرمایا:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾

(النمل : ٦٢)

’’بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے اور وہ سختی کو دور کر دیتا ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنکبوت : ٦٥)

’’پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالی ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔‘‘

اسبابِ قبولیتِ دعا کا اہتمام:

جب انسان دعا کی عظمت و شان کو جان لے۔ اور اپنے اوپر اللہ کے کرم کو سمجھ لے؛ اور اس سے دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والے فوائد کی معرفت حاصل کر لے، تو اسے چاہیے

کہ (دعا کے قبول ہونے کے لیے) رزق حلال کا پورا پورا اہتمام کرے۔ اور دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے کرنا چاہیے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور کبریائی کو بیان کرے، اور پھر اپنی حاجت کو مناسب انداز میں بیان کرے۔ (پھر اپنی ضرورت کے لحاظ سے) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ، اور صفات عالیہ اور افعال حکیمہ (عظیم اور پر حکمت کاموں) کا ذکر کرنا چاہیے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تشہد میں دعا کرنے کا ادب اور طریقہ بتایا ہے۔ اور جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں تک یہ طریقہ پہنچایا اور اسے بیان کیا۔ اور چاہیے کہ دعا میں زیادتی نہ کی جائے۔ (یعنی) ایسا سوال نہ کرے جو کہ شریعت کے مخالف ہو۔ یا گناہ، یا قطع رحمی یا کسی مسلمان بھائی پر ظلم کی دعا نہ کرے؛ یا کسی ایسے کام کی دعا نہ کرے جو اس کے لیے گناہ پر مددگار ثابت ہو۔ اور نہ ہی کسی ایسے کام کے لیے دعا میں جلد بازی کرے جس کی حکمت پوشیدہ ہو؛ کیونکہ ایسی دعائیں کرنے سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔ اور اگر ایسی دعائیں قبول کرلی جائیں تو ممکن ہے کہ وہ اس کے حق میں مفید نہ ہوں؛ بلکہ اس کے حق میں بدبختی اور شرمندگی ہو جائیں۔ یا یہی دعائیں اس کے لیے (دنیا میں) سختی اور قیامت کے دن سخت عذاب کا سبب بن جائیں۔ (اللهم احفظنا منها)

دعا کے آداب اور قبولیت کے اسباب:

١. اخلاص نیت اور توجہ۔
٢. دعا کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اور نبی ﷺ پر درود سے شروع اور اسی پر ختم کرے۔
٣. دعا میں پختہ اعتماد (جزم) اور قبولیت پر مکمل یقین ہو۔
٤. دعا میں گریہ وزاری کرنا، اور قبولیت کے لیے جلد بازی سے اجتناب کرنا۔
٥. حضور قلب سے دعا کرنا۔
٦. سختی اور نرمی ہر حال میں دعا کرنا۔
٧. صرف ایک اللہ تعالی ہی سے دعا کرنا۔ کسی اور سے نہ مانگنا۔

۸ اپنے گھر، مال، اولاد اور اپنے نفس پر بددعا کرنے سے بچنا۔

۹ دعا میں آواز کو بہت زیادہ بلند نہ کرنا؛ بلکہ دھیمہ رکھنا۔

۱۰ اپنے گناہوں کا اعتراف، اور ان پر توبہ کرنا، اور اللہ تعالی کی نعمتوں کا اعتراف اور ان پر اس کا شکر ادا کرنا۔

۱۱ بہ تکلف مسجع عبارات (بناوٹی دعا کے الفاظ) استعمال کرنے سے پرہیز کرنا۔

۱۲ گڑگڑاہٹ، عاجزی، امید، اور خوف سے دعا کرنا۔

۱۳ توبہ کرتے ہوئے گناہوں کی بخشش طلب کرنا۔

۱۴ تین تین بار دعا کے کلمات کو دھرانا۔

۱۵ قبلہ رخ ہو کر دعا کرنا۔

۱۶ دعا میں ہاتھ اٹھانا۔

۱۷ توبہ کیساتھ جن کا حق مارا ہوا ہے، انہیں ان کا حق واپس کرنا۔

۱۸ اگر آسانی سے ممکن ہو تو دعا سے پہلے وضو کرلے۔

۱۹ دعا میں حد سے نہ گزرنا۔

۲۰ دعا کرنے والا جب دوسروں کے لیے دعا کر رہا ہو تو وہ اپنے لیے بھی دعا کرے۔

۲۱ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور صفات عالیہ؛ یا ایسا کام جو دعا کرنیوالے نے خود کیا ہو؛ اس کے وسیلہ سے؛ یا پھر کسی زندہ، نیک اور موجود انسان کی دعا کے وسیلہ سے دعا کرے۔

۲۲ یہ کہ دعا کرنے والے کا کھانا اور پینا حلال کا ہونا چاہیے۔

۲۳ کسی گناہ کے کام یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔

۲۴ یہ کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

۲۵ تمام گناہوں سے بچ کر رہے۔

قبولیت دعا کے اوقات ؛ حالات اور مقامات :

- لیلۃ القدر میں
- رات کے آخری پہر میں
- فرض نمازوں کے بعد
- اذان اور اقامت کے درمیان
- ہر رات کی ایک گھڑی
- فرض نمازوں کی اذان کے وقت
- بارش برسنے کے وقت
- جہاد فی سبیل اللہ میں بوقت جنگ
- جمعہ کے دن ایک خاص گھڑی میں ؛ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد کی گھڑیوں میں سے کسی گھڑی میں۔ اسے راجح قول شمار کیا گیا ہے۔ یا پھر خطبہء جمعہ اور نماز کے وقفے میں بھی ہوسکتی ہے۔
- خالص نیت کے ساتھ زمزم پیتے ہوئے
- سجدہ کی حالت میں
- رات کو نیند سے بیدار ہونے پر
- جب انسان پاک صاف ہوکر سوئے اور پھر رات کو بیدار ہو اور دعا کرے
- جب لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ پڑھ کر دعا کرے۔
- کسی انسان کے مرنے کے بعد لوگوں کا دعا کرنا
- آخری تشہد میں اللہ تعالی کی حمد وثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام کے بعد دعا کرنا
- اللہ تعالیٰ سے جب اس کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی جائے تو یہ دعا قبول ہوگی، اور جس چیز کا سوال کریگا وہ اس کو دی جائے گی۔
- کسی مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی پیٹھ کے پیچھے دعا کرنا
- عرفات میں یوم عرفہ میں دعا کرنا
- رمضان المبارک میں دعا کرنا
- مسلمانوں کی کسی ایسی مجلس میں دعا کرنا جہاں دین وشریعت کی بات ہورہی ہو۔

❀ مصیبت میں دعا کرنا:

((اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا))

❀ جب دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو،اور خوب اخلاص کی کیفیت ہو

❀ مظلوم کی دعا، جب کہ کوئی اس پر ظلم ڈھا رہا ہو

❀ باپ کی اپنے اولاد کے لیے دعا یا بد دعا

❀ مسافر کی دعا

❀ روزہ دار کی دعا جب تک کہ وہ افطار نہ کرے

❀ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت

❀ پریشان حال کی دعا

❀ عادل بادشاہ (حکمران) کی دعا

❀ نیک اولاد کی اپنے والدین کے لیے دعا

❀ وضو کے بعد کی دعا جو کہ حدیث میں ثابت شدہ ہے

❀ جمرہ صغریٰ کی رمی کرنے کے بعد دعا

❀ جمرہ وسطیٰ کی رمی کے بعد دعا

❀ بیت اللہ خانہ کعبہ کے اندر کی دعا (حطیم خانہ کعبہ میں شامل ہے)

❀ صفا پر کی جانے والی دعا

❀ مروہ پر کی جانے والی دعا

❀ مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس کی جانے والی دعا

مؤمن جہاں کہیں بھی ہو وہ ہمیشہ اپنے رب سے ہی مانگتا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (البقرہ: ۱۸۶)

”جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ فرما دیجئے) بے شک میں (ان کے) قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ پکارتا ہے۔“

دعا کی قبولیت کی شرائط:

1. **اخــلاص**:......یعنی دعا اور عمل کا ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک وصاف ہونا۔ یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔یعنی مانگنا بھی اللہ تعالیٰ سے ہو اور عمل بھی اسی کے لیے ہو۔
2. **متــابعت**:......(یعنی سنت کی موافقت) یہ ہر عمل کے لیے شرط ہے۔ ہر عمل اور دعا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو، اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہو۔
3. **یقین**:......اللہ تعالیٰ کے ساتھ پختہ تعلق اور دعا کی قبولیت کا پکا یقین ہو۔
4. **دل کی مکمل توجہ**: ...... عاجزی اور رغبت ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر اجر عطا کرے گا اور اس کے ساتھ ہی یہ خوف بھی ہو کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی پکڑ نہ آجائے۔
5. پوری دلجمعی اور پختہ یقین کے ساتھ کی جائے۔

قبولیت دعا کی راہ میں رکاوٹیں:

1. کھانے پینے اور لباس میں جب حرام شامل ہو
2. جلد بازی کرنا اور دعا کرنا ہی چھوڑ دینا (یا دعا ادھوری چھوڑ دینا)
3. گناہوں میں پڑجانا اور حرام کاری کا ارتکاب کرنا
4. گناہ یا رشتہ داروں سے قطع تعلقی کی دعا کرنا
5. اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ جس چیز کی انسان دعا کررہا ہو، اس سے بڑھ کر کچھ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے۔

صبح وشام کے اذکار

فطرت اسلام پر صبح کرنا

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کرتے تو یہ کلمات پڑھتے تھے:

((أَصْبَحْنَا عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَعَلَى كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَعَلَى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى مِلَّةِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)) [1]

''ہم نے صبح کی فطرت اسلام پر، کلمہ اخلاص پر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر جو سب سے زیادہ یکسو تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ :......یعنی دین حق

كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ :......کلمہ شہادت

حَنِيْفًا :......یکسو؛ شرک سے بے رغبت

---

[1] مسند احمد : ١٥٣٦٠ شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع ٤٦٧٤؛ اور یہی دعا شام کے وقت پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

شــرح: ......اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے دین اسلام پر صبح کی۔ فطرت کا لفظ دین حق کے لیے بولا جاتا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰)

''(اے پیغمبر) ایک طرف کا ہو کر اپنا منہ دین پر قائم رکھ اس دین پر جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔''

حدیث مبارکہ میں آتا ہے: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے......'' کلمہ اخلاص سے مراد خالص توحید ہے۔ یعنی کلمہ لا إلـه إلا الـلّٰه . اس کلمہ توحید کو کلمہ اخلاص اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کلمہ اس وقت انسان کی نجات کے لیے کارگر نہیں ہوسکتا جب تک اس کے ساتھ مکمل اخلاص نہ ہو۔ پس یہی وہ کلمہ ہے جس کی بنا پر اخلاص حاصل ہوسکتا ہے۔

عَلٰی دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ: ...... یہ اپنے سے پہلے کلمہ کی نسبت زیادہ خاص جملہ ہے۔ اس لیے کہ تمام انبیاء کی امتوں کا دین اصل میں اسلام ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے:

﴿قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرة: ۱۳۱)

''فرمایا: میں اللہ کا تابعدار بن گیا جو سارے جہان کا مالک ہے۔''

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی:

﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرة: ۱۳۲)

''تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہی رہ کر۔''

یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ نے یہ بات دوسروں کو تعلیم دیتے ہوئے کہی تھی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " الاذکار " میں فرماتے ہیں: ''یہی بات ابن سنی نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ جملہ جہراً کہنے سے مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا آپ سے سنے اور اس کی تعلیم حاصل کرسکے۔ واللہ اعلم

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' یہ روایت سماعت پر مبنی ہے۔ اور ایسا اسی وقت ممکن ہوسکتا تھا کہ نبی کریم ﷺ یہ کلمات بلند آواز میں کہیں (تا کہ آپ سے کوئی دوسرا سن کر تعلیم حاصل کرے، اور ان کلمات کو یاد کرسکے)۔جیسا کہ اذان میں شہادتین کے وقت آپ فرمایا کرتے تھے: " أنا أنا " (''میں میں'' یعنی بے شک میں اللہ کا رسول ہوں)

علامہ ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " الامالی ''میں ارشاد فرمایا ہے:

'' ایسے کلمات ان معانی میں استقرار اور تمکن پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ مجسم جب کسی چیز پر غالب آجاتا ہے تو وہ جگہ پاتا ہے، اور قرار پکڑ لیتا ہے۔

عَلٰی مِلَّةِ اَبِیْنَا اِبْرَاهِیْمَ :......اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام اہل عرب کے باپ ہیں۔ اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کا تعلق بھی حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے ہے۔اس لیے آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ بتایا۔ یا اس بنا پر کہ انبیاء کرام علیہم السلام والد کے مقام پر ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾

(الاحزاب : ٦)

''پیغمبر تو مسلمانوں پر خود ان سے زیادہ مہربان ہے اور پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔''

ایک شاذ قرأت میں ہے "وَهُوَ أب لهُمْ"...... ''اور وہ ان کے باپ ہیں'' پس اس لیے نبی کا باپ امت کا بھی باپ ہوگا۔اور یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا﴾ (النحل : ۱۲۳)

''ایک طرف ہونے والے ابراہیم کے دین پر چلتے رہیے۔''

یعنی دین کے اصول اور بعض فروعات میں ؛ جیسا کہ ختنے اور باقی دس خصائل فطرت جنہیں سنن فطرت بھی کہا جاتا ہے۔حنیف سے مراد دین حق کی طرف میلان رکھنے والا ہے۔ جو کہ ملحد کی الٹ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ملحد کا معنی ہے دین حق سے ہٹ کر چلنے والا۔

علامہ ازہری فرماتے ہیں: ''اسلام میں حنیف دین حق کی طرف میلان رکھنے والے کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی دین اسلام کی طرف میلان رکھنے والا اور اس پر ثابت قدم رہنے والا۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حنیف سے مراد وہ مخلص مسلمان ہے جو کہ کامل طور پر اطاعت گزار ہو، اور دین حق کو چھوڑ کر ادھر ادھر نہ ہٹنے والا ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

''وہ مشرکین میں سے نہ تھا۔''

اس حدیث اور آیت میں ان کفارِ عرب پر رد ہے جو یہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہود و نصاری سے بھی اعراض ہے جو اپنے تئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہونے کے دعویدار تھے۔اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام پکے موحد اور دین حق پر قائم رہنے والے تھے۔

فوائد حدیث :

۱. اس ذکر کا صبح و شام میں مشروع ہونا۔
۲. حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا دین اسلام ہونا۔
۳. اسلام ہی دین فطرت ہے، اس فطرت میں تحریف لوگوں کی طرف سے آتی ہے۔
۴. کلمہ توحید ہی کلمہ اخلاص ہے۔ جس کے متعلق مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے اس کا اقرار کرے، اور ہمیشہ اس کے مطابق عمل بھی کرے۔

صبح وشام کی دعائیں اور اذکار

حضرت ابی راشد حبرانی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں : میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور آپ سے عرض کیا: ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجیے جو کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ آپ نے ہماری طرف ایک صحیفہ بڑھا دیا، اور فرمایا: یہ وہ صحیفہ ہے جو ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے۔ (راوی) کہتا ہے: ''میں نے اس میں دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ! مجھے ایسے کلمات سکھایئے جو میں صبح وشام ذکر کیا کروں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر! کہو:

((اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْٓءًا أَوْ أَجُرَّهُ إِلٰى مُسْلِمٍ)) [1]

''اے اللہ! جاننے والے غیب اور حاضر کے، پیدا کرنے والے، آسمانوں اور زمین کے! رب ہر چیز کے اور اس کے مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، میں تیری پناہ میں آتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے اور اس بات سے کہ ارتکاب کروں اپنے ہی خلاف کسی برائی کا یا اسے کھینچ لاؤں کسی مسلمان کی طرف۔''

---

[1] ابو داؤد: ٥٠٨٣۔ ترمذی: ٣٣٩٢۔ صحیح الترمذی: ١٤٢/٣.

مشکل الفاظ کے معانی :

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ :...... ان کو پیدا کرنے؛ بنانے اور ایجاد کرنے والا بغیر کسی سابق مثال کے۔

الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ :..... جو کچھ لوگوں سے غائب ہو، اور جو کچھ ان کے لیے ظاہر ہو۔

شِرۡکِهٖ : ......جس چیز کی طرف شیطان دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی طرف بلاتا ہے۔

شرح: فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ :......ان کو پیدا کرنے والا بغیر کسی سابق مثال کے جو کہ غیب اور شاہد اور ہر چیز کا رب اور پروردگار و مربی ہے، اور وہی ہر چیز کا بادشاہ اور مالک ہے۔

اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِيۡ :..... میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے۔ یعنی ان خفیہ برائیوں کے ظاہر ہونے سے پناہ مانگتا ہوں جو کہ انسان کی طبیعت میں شامل ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد خواہشات نفس ہیں جو کہ راہِ حق کی مخالف ہیں فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (القصص : ٥٠)

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش پر چلے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا۔''

مگر جب اس کے برعکس انسان کی خواہشات راہ ہدایت کے موافق و مطابق ہوں تو یہ بالکل مکھن پر شہد کے مترادف ہے۔

نفس کے شر سے پناہ مانگنے کی وجہ یہ ہے کہ نفس بہت خواہشات اور شیطان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے شر کو قبول کر لیتا ہے۔ اور اس کا حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کی طہارت کے لیے مزید اہتمام کیا جائے۔ اس کی جانب اشارہ گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر پہلے سے ہی کامل تھے، وہ یہ دعائیں کرنا چاہتے تھے تاکہ نفس کی مزید ترقی کے لیے وسیلہ ہو جائیں۔

اس لیے کہ مراتب احسان میں یہ ترقی دل کی طہارت کے حساب سے مختلف ہوتی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ : ......مراد یہ ہے کہ شیطان کی اغواء کاروں اور اس کے گمراہ کرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ دعا جنس شیاطین کو شامل ہو، اور یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہی بڑا شیطان [ابلیس] مراد ہو۔

وَ شِرْكِهِ : ...... اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے : پہلی قرأت ''و شِرْ کِہٖ'': اس قرأت کے اعتبار سے مراد شیطان کی اغواء کاریاں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی دعوت ہے۔ دوسری قرأت ہے ''وَ شَرَكِهِ'' اس قرأت کے اعتبار سے معنی ہوگا کہ اس کے پھندوں سے اور فتنہ میں ڈالنے والی باتوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

پھر اس کے بعد انسان اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگتا ہے کہ اس کا نفس اسے برائی کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ (اور اس سے برائی کا ارتکاب کروائے)

فوائدِ حدیث:

1. صبح و شام کے وقت اس دعا کے پڑھنے کی مشروعیت۔
2. ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگتے رہنا خواہ اپنے نفس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معین اور مددگار نہیں ہے۔ وہی ہمارا اور زمین و آسمان کا خالق ہے۔
3. ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شیطان کے شر سے بچائے۔
4. مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کے کاموں سے بچ کر رہے خواہ اس کا نقصان اس کے اپنے نفس تک محدود ہو یا دوسروں تک بھی پہنچنے والا ہو۔

صبح و شام میں رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ صبح و شام کے اوقات میں ان کلمات کے ساتھ ذکر کرنا کبھی ترک نہیں کیا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَایَ وَاَھْلِيْ وَمَالِيْ، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِيْ، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ)) قَالَ وَكِيْعٌ : يَعْنِي الْخَسْفَ)) [1]

''یا اللہ! بے شک میں سوال کرتا ہوں تجھ سے معافی اور عافیت کا دنیا اور آخرت میں، اے اللہ! بے شک میں سوال کرتا ہوں تجھ سے معافی کا اور عافیت کا اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل وعیال اور مال میں، اے اللہ! پردہ ڈال دے میرے عیبوں پر اور امن دے مجھے گھبراہٹوں میں، اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے سامنے سے میرے پیچھے سے، میری دائیں طرف سے اور میری بائیں طرف سے اور میرے اوپر سے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری عظمت کے ساتھ اس بات سے کہ ناگہاں ہلاک کیا جاؤں میں اپنے نیچے سے۔'' امام وکیع فرماتے ہیں: ''اپنے نیچے سے'' اس سے مراد زمین میں دھنس جانا ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَلْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ :......عفو سے مراد گناہوں کی معافی ہے۔ اور عافیت سے مراد بیماریوں اور آزمائشوں سے سلامتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد: آزمائش میں نہ ڈالا جانا ہے۔ (اور اگر آزمائش آجائے تو پھر اس پر) صبر کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا۔

عَوْرَاتِيْ :......عیوب (برائیاں؛ ہر وہ چیز جس کے ظاہر ہونے سے انسان کو حیا آتی ہو)

رَوْعَاتِيْ :...... خوف اور بے چینی۔

---

[1] ابو داؤد: ٥٠٧٤۔ ابن ماجہ: ٣٨٧١۔ صحیح ابن ماجہ: ٣٣٢/٢.

اُغْتَالَ : ...... چپکے سے اچک لینا۔ (اغوا کر لینا)۔

الْخَسْف : ......زمین میں دھنسنا۔

شـــــرح : ......رسول اللہ ﷺ اپنی صبح و شام میں کبھی بھی ان کلمات کے ساتھ دعا کرنے کو ترک نہیں کیا کرتے تھے۔ اور آپ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ: ''اے اللہ ہمیں دینی اور دنیاوی آفات اور سختیوں سے محفوظ اور سلامت رکھ۔ اور ہر قسم کی آزمائش اور برائی سے محفوظ رکھ۔ ان چیزوں میں مبتلا کر کے آزمائش میں نہ ڈالنا۔''

اے اللہ ہم آپ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کو مٹا دے، اور ان سے درگزر فرما دے۔ اور ہمارے دینی اور دنیاوی امور میں عیوب اور برائیوں سے سلامت رکھ۔

اے اللہ! ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دے؛ اور ہمارے خوف کو ختم فرما دے اور ہمیں امن نصیب کر دے۔ لفظ ''امن'' ایمان سے نکلا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (قریش : ٤)

''اور انہیں خوف سے امن دلایا۔''

حاصل کلام اور خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے خوف کو امن سے بدل دے۔ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ "آمن روعاتي" کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہمارے اس خوف کو ختم کر دے جس نے ہمیں بے چین و بے قرار کیا ہوا ہے۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مذکور بالا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ : ......یا اللہ! میری حفاظت فرما مجھ سے ہر مصیبت اور پریشانی دور فرما۔

مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ : ...... میرے آگے سے۔ ومن خلفي: اور میرے پیچھے سے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے چھ جانب سے چہار اطراف اور اوپر اور نیچے سے میری حفاظت فرما۔ بے شک انسان کو جو بھی مصیبت یا آزمائش پہنچتی ہے وہ ان چھ جہات میں سے کسی ایک جانب سے آتی ہے اور یہاں پر نیچے کی جانب کا بالخصوص بطور مبالغہ ذکر کیا، اس لیے کہ نیچے

کی جہت ہر مصیبت کے لیے چادر کا کام دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ))

یہاں پر اغتال کے صیغہ کو متکلم کی جانب سے بطور مجہول کے ذکر فرمایا کہ میں اچانک پکڑ میں آجاؤں یا دھر لیا جاؤں، یا اغوا کر لیا جاؤں۔ اور نیچے کے ذکر سے مراد زمین میں دھنسنا ہے۔

اُغْتَالَ کا لفظ عربی زبان میں اصل میں ایسے موقع کے لیے بولا جاتا ہے کہ انسان کو اس طرح سے گھیر لیا جائے کہ وہ اس کا سوچ بھی نہ سکتا ہو۔ یا اس پر ایسی بلاء آجائے جو اس کے تصور میں بھی نہ ہو۔

فوائدِ حدیث :

① صبح وشام کے وقت اس دعا کا مستحب ہونا؛ نبی کریم ﷺ یہ دعا نہیں چھوڑا کرتے تھے۔

② انسان کی حفاظت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

③ سلامتی اور معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو کہ اسی سے طلب کرنی چاہیے۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تیرے لیے کون سی چیز رکاوٹ ہے کہ تم وہ کلمات سنو جو میں تمہیں وصیت کر رہا ہوں۔ یا جب تم صبح کرو اور جب شام کرو تو یہ کلمات کہو:

((يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ، وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ)) [1]

''اے زندہ جاوید، اے کائنات کے نگران! میں تیری ہی رحمت کے ذریعے سے

---

[1] النسائي في الكبرى: ١٤٠٥۔ احمد: ٣/٤٠٦۔ صحيح الجامع: ٤/٢٠٩۔ عمل اليوم والليلة، ابن السني ؛ علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ صحيح الترغيب و الترهيب: ٦٦١۔

فریاد کرتا ہوں تو سنوار دے میرے سب کام اور نہ سپرد کر مجھے اپنے نفس کے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

تَكِلْنِيْ :......یعنی مجھے چھوڑ دے۔ (سپرد کر دے)۔

شرح : ......رسول اللہ ﷺ کی نصیحت سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نصیحت ان تمام نصیحتوں میں سے ایک نصیحت ہے جو کوئی بھی والد اپنی اولاد کو کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ والد بھی کسی عام والد کی طرح نہیں ہے۔ اور نہ ہی اولاد کوئی عام اولاد کی طرح ہے۔ آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے: ((فاطمة بضعة مني .)) ''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔''

فوائدِ حدیث :

① اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مدبر ہے۔ اس کے بغیر ہماری کوئی قدرت و ارادہ نہیں۔

② نبی کریم ﷺ کی اپنی بیٹی سے محبت اور اس کے لیے خیر و بھلائی کی چاہت۔

③ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہمارے لیے تعلیم کہ ہم چھوٹوں کو تعلیم کیسے دیں؟

برے اعمال کے شر سے پناہ مانگنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب شام کے وقت میں داخل ہوتے تو یہ کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے:

((أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ رَبِّ أَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا، رَبِّ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ رَبِّ أَعُوْذُبِكَ

مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ)) [1]

''شام کی ہم نے اور شام کی ساری مخلوق نے جو کہ اللہ کی ہے، اور سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے، وہ اکیلا ہے، نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ اے میرے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں آج کی رات کی بہتری کا اور اس رات کی بہتری کا جو اس کے بعد آنے والی ہے اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس رات کے شر سے اور اس کے بعد آنے والی رات کے شر سے اے میرے رب میں تیری پناہ میں آتا ہوں، کاہلی سے اور بڑھاپے کی خرابی سے اے میرے رب! میں تیری پناہ میں آتا ہوں آگ کے عذاب اور عذاب قبر سے۔''

جب صبح کرتے تو بھی یہی کلمات کہتے؛ اور فرماتے:

((أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ))

مشکل الفاظ کے معانی:

أَمْسَيْنَا: ......ہم نے شام کی؛ یا شام کے وقت میں داخل ہوئے۔

وَالْهَرَمِ: ...... بڑی عمر۔

شرح:

أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ: ......ہم نے شام کی؛ یا شام کے وقت میں داخل ہوئے۔ اور ساری کائنات اور پورا ملک صرف اللہ کے لیے خاص ہوتے ہوئے شام میں داخل ہوئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ: ......اور تمام تر تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

---

[1] مسلم: ۲۷۲۳.

ہیں: ''یعنی ہمیں معرفت حاصل ہوگئی کہ ملک سارے کا سارا اللہ کے لیے ہے، اور تمام تر تعریف صرف ایک اللہ کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں۔

رَبِّ اَسْئَلُكَ: ......اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کافی و وافی نصیب اور ٹھکانے کا جو کہ اس رات کی بہترین چیزوں میں سے ہے۔

خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ: ......یعنی بذات خود اس رات کی خیر اور اس میں حاصل ہونے والے امور کی خیر۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ یعنی اس چیز کی خیر کا سوال کرتا ہوں جو اس رات میں پیدا ہوتی ہے۔

وَخَيْرَ مَا فِيْهَا: ......اور جو کچھ اس رات میں واقع ہوتا ہے، اور جو کچھ اس رات میں سکون پکڑتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ (الأنعام: ۱۳)

''اور جتنی چیزیں رات اور دن میں بستی ہیں وہ سب اسی (اللہ) کی ہیں۔''

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی جس چیز کا تو نے ارادہ کیا ہے کہ وہ ظاہری و باطنی کمالات تیری خاص مخلوق کے لیے اس رات میں واقع ہوں۔ اور ان بہترین عبادات کے واقع ہونے کا جن عبادات کو بجالانے کا حکم تو نے ہمیں دیا ہے۔ یا ان بہترین موجودات کا سوال کرتا ہوں جو کہ اس رات کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اور ان تمام چیزوں کی خیر کا سوال جو کہ اس وقت تک موجود ہو۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رات کی خیر سے مراد ہے کہ: جو کچھ انسان بذات خود اس رات میں عمل کرے۔ اس ''رات کے اندر جو کچھ خیر ہے'' سے مراد اس رات میں واقع ہونے والے احداث و واقعات ہیں۔

وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا فِيْهَا: ......(میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس رات کی برائی سے اور جو کچھ اس رات میں ہے اس کی برائی سے)۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

((وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا))

''میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس رات کی برائی سے اور جو کچھ اس رات کے بعد ہے اس کی برائی سے۔''

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ : ......(اے اللہ میں سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں) اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان طاقت و استطاعت ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام نہ کر سکے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سستی سے مراد یہ ہے کہ ایسی چیز کو بوجھل یا گراں سمجھنا جس کو گراں سمجھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔'' اس لیے کہ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب نفس طاقت ہونے کے باوجود خیر کی طرف نہ جائے۔

وَالْهَرَمِ : ......ایسی بڑی عمر جس میں انسان کے بعض اعضاء کام کرنے سے جواب دیدیں۔ اسے ارذل (ناکارہ) عمر بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس عمر میں انسانی زندگی سے مقصود عمل یا علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو پاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ (النحل: ۷۰)

''اس لیے کہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔''

وَسُوْءِ الْكِبَرِ : ......''برے تکبر'' سے مراد نعمت کے وقت سرکشی کرنا اور لوگوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنا ہے۔ امام نسائی کی روایت کے مطابق **وَسُوْءِ الْكِبَرِ** کے بجائے ''سوء العمر'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جس سے مراد وہ امور ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے لاحق ہوجاتے ہیں جیسے: عقل کا ختم ہوجانا، رائے میں اختلاط؛ اور ذہنی خرابی؛ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں میں کمی اور ان کے علاوہ دیگر امور جو کہ انسان کی حالت خراب ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

''لمعات'' میں لکھا ہے کہ ان فقروں میں نیچے سے اوپر کی جانب ترتیب کے ساتھ ترقی ہوئی ہے۔ سب سے پہلے سستی سے پناہ مانگی گئی۔ یعنی جب انسان استطاعت ہونے کے باوجود نیکی کے کاموں کو گراں سمجھے۔

پھر اس کے بعد بڑی عمر سے پناہ مانگی گئی۔یعنی عمر کا وہ مرحلہ جب انسان کی توانائیاں جواب دے جاتی ہیں اور وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اور اس سے عبادت کے وظائف فوت ہوجاتے ہیں۔

پھر اس کے بعد بری عمر سے پناہ مانگی گئی جس میں انسان زمین پر گرے ہوئے کپڑے کی طرح ہوجاتا ہے جس سے کسی خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔

پھر اس کے بعد دنیا کے فتنہ سے پناہ مانگی گئی۔یعنی دنیا کی محبت اور اس کی آزمائش کا فتنہ۔ پھر اس کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگی گئی۔ اس سے مراد یا تو بذات خود قبر کا عذاب ہے، یا پھر ان اسباب سے پناہ جن کی وجہ سے قبر کا عذاب واجب ہوتا ہے۔

جب صبح کرتے تو بھی یہی کلمات کہتے: یعنی وہی کلمات دھراتے جو کہ شام کو کہا کرتے تھے۔بس وہاں پر شام کے لفظ "أمسينا " کے بجائے صبح کے لفظ " أصبحنا" کا استعمال کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث عبودیت کے اظہار، اور تصرفات ربوبیت کی طرف انسان کے محتاج وفقیر ہونے کی دلیل ہے۔اور یہ کہ خیر وشر ہر طرح سے صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اور بے شک انسان کے اختیار میں اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس حدیث میں امت کے لیے تعلیم بھی ہے تا کہ وہ دعا کرنے کے آداب سیکھ سکیں۔''

فوائدِ حدیث:

١۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے صبح وشام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾

(طه : ١٣٠)

''اپنے مالک کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے۔''

٢۔ ہر وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد کرتے رہنا۔

۳۔ یہ کہ ہم صبح وشام اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کریں۔

۴۔ یہ کہ ہم ہر وقت سستی اور بری عمر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہیں، اور اپنے آپ کو دنیاوی فتنوں سے محفوظ و مامون نہ سمجھیں۔

۵۔ یہ کہ ہم ہمیشہ جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے رہیں اور ایسے امور بجالاتے رہیں جن کی وجہ سے اس قسم کے عذاب سے نجات حاصل ہونا ممکن ہو۔

مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو انسان شام کے وقت تین بار یہ کلمات کہے:

((اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) [1]

''میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں اس کی مخلوق کے شر سے۔''

اس انسان کو اس رات کوئی چیز نقصان نہیں دے سکے گی۔ آپ فرماتے ہیں: میرے گھر والوں نے یہ کلمات سیکھ لیے تھے۔ اور وہ یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک باندی کو کسی چیز نے ڈس لیا، مگر اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَعُوْذُ: ...... پناہ مانگتا ہوں۔

بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ: ......اللہ تعالیٰ کے پورے پورے کلمات (یہ کونی اور شرعی کلمات سب کو شامل ہے)۔

شرح: ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر چیز سے بچنے کا طریقہ سکھایا کرتے تھے۔ یہ فرمانا: **اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ** میں اللہ تعالیٰ کے پورے

---

[1] بخاری مع الفتح: ۴/ ۶۱۳۔ آیۃ الکرسی بمعہ ترجمہ پچھلے صفحات میں دیکھئے۔

پورے کونی اور شرعی کلمات کے ساتھ اس کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ کونی کلمات وہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (یس: ۸۲)

''اس کی تو یہ شان ہے جب کوئی چیز (بنانا) چاہتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے ہو جا وہ جاتی ہے۔''

پس جب آپ یہ کلمات کہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے کونی کلمات سے محفوظ رکھے گا۔ اور تم سے وہ چیز دور کردے گا جو تمہیں نقصان دینے والی ہو۔ یہ کلمات بلائیں نازل ہونے کے بعد بھی ان سے نجات حاصل ہونے کے لیے کارگر ہیں۔ جب کہ بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جس انسان نے رات میں آیۃ الکرسی پڑھ لی تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظ مقرر کردیا جاتا ہے؛ اور صبح ہونے تک شیطان اس کے قریب نہیں آ سکتا۔ جب کہ بلائیں نازل ہونے کے بعد بھی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ بے شک جب سورت فاتحہ پڑھ کر کسی مریض پر دم کردیا جائے تو اسے اس دم کی وجہ سے بیماری سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے جب سورت فاتحہ پڑھ کر ایک قوم کے سردار پر دم کیا جسے سانپ نے ڈس لیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی، اور وہ فوراً ہی شفایاب ہوگیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن میں شفا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس: ۵۷)

''لوگو! تمھارے پاس تمھارے مالک کی طرف سے نصیحت آئی (یعنی قرآن) اور سینوں میں جو بیماریاں ہیں ان کی دَوا اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیے۔''

برادر محترم ! آپ کو حرص کرنی چاہیے کہ جب بھی آپ صبح وشام کریں، یا خشکی و سمندر میں کسی بھی جگہ پر پڑاؤ ڈالیں ؛ یا کہیں پر تھوڑی دیر کے لیے ستانا چاہتے ہوں تو کہہ لیجیے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))

''میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں اس کی مخلوق کے شر سے۔''

یہ کلمات کہنے کے بعد جب تک آپ وہاں پر رہیں گے کوئی چیز آپ کو نقصان نہیں دے سکے گی؛ یہاں تک کہ آپ وہاں سے کوچ کر جائیں۔

فوائدِ حدیث :

(۱) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ پناہ طلب کرنا اور اسی پر توکل کرنا۔

(۲) نبی کریم ﷺ سے ماثور اذکار اور دعاؤں کی فضیلت۔

نقصان سے پناہ مانگنے کی دعا

حضرت ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے سنا : حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمارہے تھے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جو صبح وشام تین بار یہ کلمات کہے (اسے کوئی چیز نقصان نہیں دے سکے گی):

((بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)) [1]

''اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کی برکت سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی زمین کی ہو یا آسمانوں کی اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

[1] جو شخص صبح اور شام تین (۳)، تین (۳) مرتبہ پڑھے گا اس کو کوئی چیز تکلیف نہیں دے گی۔ ابو داؤد، : ۵۰۸۸۔ الترمذی: ۳۳۸۸ ۔ احمد: ۶۱/ ۲۶۔ صحیح ابن ماجہ : ۲/ ۲۳۲۔

مشکل الفاظ کے معانی :

الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ :...... یعنی جب حسن اعتقاد اور خالص نیت کے ساتھ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

شَیْئٌ :......کوئی بھی چیز (خواہ کچھ بھی ہو)۔

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ :...... یعنی جو بلا بھی اس طرف سے آنے والی ہو۔

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ :...... وہ اقوال کو سنتا اور احوال کو جانتا ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔

شــــرح :...... یہ کلمات اگر چہ بظاہر چند ایک جملے ہیں، مگر ان کا فائدہ بہت ہی بڑا ہے۔''اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کی برکت سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی زمین کی ہو یا آسمانوں کی اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔'' بے شک یہ اس لیے ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اور جب بھی کسی بھی چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو وہ اس چیز میں برکت کے حاصل ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے جب آپ کھانا کھانا چاہیں تو اس سے پہلے **بِسْمِ اللّٰہِ** پڑھنا مسنون ہے۔ آپ **بِسْمِ اللّٰہِ** پڑھتے ہیں؛ اور ایسے ہی جب کچھ پینا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں : **بِسْمِ اللّٰہِ** جب اپنی اہلیہ کے پاس جانے کا ارادہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں: **بِسْمِ اللّٰہِ** پس **بِسْمِ اللّٰہِ** پڑھنا بہت سے مواقع پر مشروع ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آپ نے یہ بتایا ہے کہ جو انسان کھانے پر **بِسْمِ اللّٰہِ** نہ پڑھے تو شیطان اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔ پس یہ نہ بھولیے کہ آپ ہر صبح و شام تین تین بار یہ ذکر کیا کریں:

((بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ))

''اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کی برکت سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی

زمین کی ہو یا آسمانوں کی اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ :...... یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ سمیع کے دو معنی ہیں :

① **سماعت**:...... یعنی ہر ایک آواز کا ادراک کرنا۔ پس اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک آواز کے سننے والے ہیں خواہ وہ کتنی کمزور اور کتنی ہی دور کی آواز کیوں نہ ہو۔ پس اس بات سے بچ کر رہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کوئی ایسا کلام سنائیں جس پر وہ راضی نہ ہوتا ہو۔ اور ہمیشہ اس بات کی حرص کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو وہی کلام سنائیں جس سے وہ راضی ہوتا ہو۔

② **سمیع** کے معانی میں ایک دعاؤں کا سننے والا ہے۔ یعنی دعاؤں کا جواب دیتا ہے۔ اللہ جل وعلا پریشان حال کی دعا کا جواب دیتا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ پریشان حالوں کی دعائیں قبول کرتا ہے، اور انہیں پریشانیوں سے نجات عطا کرتا ہے۔ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کا جواب دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' مظلوم کی بد دعا سے بچو، اس لیے کہ اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''

اور جو کوئی اس کی عبادت کرے، اور اس کی حمد و ثنا بیان کرے، اور اس کی تعریف کرے، تو وہ ان کی دعائیں بھی سنتا ہے۔ جیسا کہ نماز میں کہا جاتا ہے :

((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ))

''اللہ تعالیٰ نے سن لیا جس کسی نے اس کی تعریف بیان کی۔''

عَلِيْمٌ :...... بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم وسیع اور محیط علم ہے جو کہ ہر ایک چیز کو شامل ہے۔ پس یہ دعا ہر صبح وشام میں مشروع ہے کہ انسان کہے :

((بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ))

''اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کی برکت سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی زمین کی ہو یا آسمانوں کی اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''

اس حدیث میں دلیل ہے کہ ان کلمات کے کہنے والے کو ہر قسم کے ضرر سے نجات مل جاتی ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ اور جب انسان دن یا رات کے شروع میں یہ کلمات (تین تین بار) کہہ لے تو اس رات یا دن میں کوئی چیز اسے ہرگز کوئی نقصان نہیں دے سکتی۔

فوائدِ حدیث:

1. اس حدیث میں دلیل ہے کہ ان کلمات کے کہنے والے کو ہر قسم کے ضرر سے نجات مل جاتی ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو۔
2. اور جب انسان دن یا رات کے شروع میں یہ کلمات کہہ لے تو اس رات یا دن میں کوئی چیز اسے ہرگز کوئی نقصان نہیں دے سکتی۔
3. نبی کریم ﷺ سے ماثور دعاؤں کی فضیلت۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: بے شک آپ ﷺ جب صبح کرتے تو یہ کلمات ارشاد فرمایا کرتے:

((اَللّٰھُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَیْنَا وَبِكَ نَحْیَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَیْكَ النُّشُوْرُ))

''اے اللہ! تیری ہی حفاظت میں ہم نے صبح کی اور تیری ہی حفاظت میں شام کی، اور تیرے ہی نام پر ہم زندہ ہوتے ہیں، اور تیرے ہی نام پر ہم مرتے ہیں، اور تیری ہی طرف اٹھ کر جانا ہے۔''

اور جب شام کرتے تو اس وقت یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ)) [1]

''اے اللہ تیری ہی حفاظت میں ہم نے شام کی اور تیری ہی حفاظت میں صبح کی، اور تیرے ہی نام پر ہم زندہ ہوتے ہیں اور تیرے ہی نام پر ہم مرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

اَلنُّشُوْرُ : ......موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا۔

اَلْمَصِيْرُ : ......ٹھکانہ اور لوٹنے کی جگہ۔

شــرح : ...... یہ کہنا کہ: ''جب صبح کرتے'' یعنی صبح کے وقت میں داخل ہوتے۔اس حدیث میں قول اور فعل جمع کردیے گئے ہیں۔اس لیے کہ جب صبح کرتے تو فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا))

اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تیری حفاظت کی تلاش میں صبح کی۔ یا یہ کہ ہم نے تیری نعمتوں میں ڈھکے ہوئے ؛ یا تیرے ذکر میں مشغول رہتے ہوئے، یا تیرے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے اور تیری توفیق میں شامل حال رہتے ہوئے یا تیری قدرت اور قوت سے حرکت کرتے ہوئے اور تیرے ارادہ وتوفیق سے اٹھتے ہوئے صبح کی۔

وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ : ......یعنی تو ہی ہمیں زندگی دیتا ہے اور تو ہی ہمیں مارتا ہے۔اور یہ سلسلہ تمام حالات اور تمام اوقات میں چلتا رہتا ہے۔''و إليك'' اور خاص تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے کسی اور کی طرف نہیں۔

اَلْمَصِيْرُ : ......دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد مرجع۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کرتے تو **اَمْسَيْنَا** کے الفاظ کو **اَصْبَحْنَا** کے بجائے

---

[1] ترمذی : ۳۳۹۱۔ صحیح الترمذی: ۳/ ۱۴۲۔ ابو داؤد۔

پہلے لے آتے۔ اور جملہ کے آخر میں **وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ** کے الفاظ کہتے۔ یعنی دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد لوٹ کر جانا تیری ہی طرف ہے۔

علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہا جاتا ہے:'' نشر المیت؛ ینشر نشوراً '' جب اسے موت کے بعد زندگی ملے۔ انشرہ اللّٰہ کا معنی ہے:'' اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد اسے زندگی دے دی۔''

فوائدِ حدیث :

① پلٹ کر جانے کی جگہ اور حقیقی ٹھکانہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

② ہر صبح وشام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی ضرورت۔

سید الاستغفار

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سید الاستغفار یہ ہے کہ آپ کہیں:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ)) [1]

''اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، نہیں کوئی معبود سوائے تیرے، تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں

---

[1] البخاری: ٦٣٠٦۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یقین کی حالت میں شام کے وقت یہ دعا پڑھے اور اسی رات فوت ہو جائے تو وہ شخص جنت میں جائے گا اور اسی طرح (حالتِ یقین میں) جو شخص صبح کے وقت پڑھ لے اور شام کو فوت ہو جائے تو وہ بھی جنت میں جائے گا۔

اپنی طاقت کے مطابق میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعے اس چیز کے شر سے جس کا ارتکاب میں نے کیا، میں اقرار کرتا ہوں تیرے سامنے تیرے انعام کا جو مجھ پر ہوا اور میں اقرار کرتا ہوں اپنے گناہوں کا، لہٰذا تو مجھے معاف کردے، کیونکہ تیرے علاوہ گناہوں کو کوئی بھی معاف کرنے والا نہیں ہے۔''

شرح: ......سید الاستغفار سے مراد: استغفار کے لیے افضل ترین اور بہترین الفاظ و صیغے۔ یعنی جن پر اللہ تعالیٰ کے ہاں کثرت کے ساتھ ثواب ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کے لیے یوں باب قائم کیا ہے: ((باب أفضل الاستغفار .))

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری نے (اس استغفار کے لیے) ''افضل'' کے لفظ کے ساتھ باب باندھا ہے؛ جب کہ بعض روایات میں ''سید'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے استعمال کرنے والے کے لیے کثرت کے ساتھ نفع دینے والے الفاظ۔ یعنی اس کا نفع اور ثواب ان الفاظ میں استغفار کرنے والے کے لیے ہوگا، نہ کہ نفس الفاظ کے لیے۔ مراد یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ استغفار کرنے والے کے لیے اس سے بڑھ کر ثواب ہے جو ان کے علاوہ کسی دیگر الفاظ میں توبہ و استغفار کرتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: ''مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے'' اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں عبادت کرنے والا زیادہ افضل اس انسان کی نسبت جو کہ مدینہ طیبہ میں عبادت کرتا ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ استغفار کے افضل ہونے کی وجہ بھی عقل سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ بلکہ یہ معاملہ بھی اسی ہستی کے سپرد کیا جائے گا جو اعمال پر ثواب و عقاب مقرر کرتی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' (ان الفاظ میں) یہ دعا توبہ کے تمام معانی کے لیے جامع ہے۔ حقیقت میں توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی درجہ کے عذر پیش کرنے کا نام ہے۔ اس کے لیے سید کا لفظ استعارہ لیا گیا ہے۔

سید کا لفظ اصل میں اس بڑے اور سردار کے لیے استعمال ہوتا جس کی طرف مشکلات میں قصد کیا جائے۔ اور معاملات نبھانے میں اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں تمام الفاظ ومعانی ایسے بدیع و خوبصورت ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ دعا سید الاستغفار کہلانے کی مستحق ہو جاتی ہے۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی توحید کا اقرار اور صرف اسی کے لیے عبودیت کا اثبات ہے۔ اور اس کے خالق (ومالک) ہونے کا اعتراف ہے۔ اور اس عہد کا اقرار ہے جو اللہ تعالیٰ نے (روز ازل میں) بندوں سے (صرف اپنی عبادت کرنے اور توحید بجالانے کے لیے) لیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان وعدوں کے پورا ہونے پر اس اجر وثواب کی امید ہے جس کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اس چیز سے پناہ طلب کی ہے انسان اپنے نفس پر جو بھی ظلم کرتا ہے۔

اس دعا میں نعمتوں کو ان کے پیدا کرنے والے کی طرف منسوب کیا گیا ہے جب کہ گناہوں کی نسبت انسان کے اپنے نفس کی طرف ہے؛ اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت میں بہت بڑی امید بھی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ اقرار بھی ہے کہ اس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ذرا بھر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سید الاستغفار ایک جامع دعا ہے انسان پر واجب ہے کہ اس کا اقرار واعتراف کرے، اور ان کلمات کے ساتھ دعا و استغفار کرے۔ (جیسا کہ حدیث مبارکہ میں) لفظ مخاطب کے صیغہ کے ساتھ ہے کہ: "أن تقول" یہ کہ تم کہو۔ یہ ہر ایک کے لیے عام خطاب ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ دعا اپنی تمام فروع میں مخاطب کے صیغہ کے ساتھ ہے (جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعا ہر ایک کے لیے ہے) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سید الاستغفار یہ ہے کہ انسان کہے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ))

اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ

یہ کہنا کہ خَلَقْتَنِيْ تو نے مجھے پیدا کیا ہے، یہاں سے دوبارہ تربیت و پرورش کا بیان شروع ہوتا ہے۔

أَنَا عَبْدُكَ:...... میں تیرا بندہ ہوں۔ یعنی تیری مخلوق اور تیرا غلام ہوں۔ یہ انسان اپنی حالت کا بیان کررہا ہے جیسا کہ آگے فرمایا:

وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ:......اور میں تیرے ساتھ کیے گئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ یعنی اس عہد میثاق کو پورا کررہا ہوں۔ اور میں تیرے وعدہ پر یقین رکھتا ہوں جو کہ تو نے یوم حشر میں تمام مخلوقات کو جمع کرنے کے لیے کیا ہوا ہے۔ اور وہ وعدہ جو تو نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان مؤمنین کے ساتھ انہیں ثواب دینے کے لیے کیا ہوا ہے۔

مَا اسْتَطَعْتُ:...... جتنی بھی مجھ میں ہمت واستطاعت ہے۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اسی عہد پر ہوں جو تجھ سے کیا ہے، اور جو میں نے تیرے ساتھ تجھ پر ایمان لانے اور اخلاص کے ساتھ تیری عبادت کرنے کا وعدہ کیا ہے اس پر اپنے مقدور بھر قائم ہوں۔

اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ میں اس عہد پر قائم ہوں جو میں نے تیرے ساتھ کیا ہے؛ اور اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں۔ اور اس پر اجر وثواب کے ملنے کے لیے تیرے وعدے کا منتظر ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ''استطاعت'' یعنی طاقت کے ہونے کی شرط لگائی ہے۔ جس میں انسان کی طرف اللہ کے حق کی ادائیگی میں اپنی عاجزی وکمزوری اور کوتاہی کا اعتراف ہے۔ یعنی اے اللہ! میں ایسے تیری عبادت نہیں کرسکتا جیسا کہ عبادت کرنے کا حق ہے، مگر اپنے مقدور بھر کوشش کرتا ہوں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوم ازل میں جب بندوں کو چیونٹیوں کی شکل میں نکالا تو ان سے عہد لیا تھا:

﴿وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (الأعراف: ۱۷۲)

''اور خود کو ان پر گواہ کیا (ان سے فرمایا) کیا میں تمھارا مالک نہیں ہوں۔''

تو اس موقع پر تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا، اور اس کی وحدانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اور اس وعدہ کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی

لوگوں کے ساتھ کیا ہوا ہے کہ جو کوئی اس حالت میں مرے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی شریک نہ ٹھہرایا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ:......اور مجھ پر جو تیری نعمتیں ہیں ان کا اعتراف واقرار کرتا ہوں۔ ''أبـــوء''کا ترجمہ اقرار سے کیا ہے۔ اصل میں اس کا معنی ہے: لازم پکڑنا یا قرار پکڑنا۔ کہا جاتا ہے: ''بـواه الله منزلاً'' اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھکانہ دیا۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا جب کہیں پر انسان کو سکون کے ساتھ ٹھکانہ مل جائے۔

وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ:......اور میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں۔اس کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے گناہ کو تسلیم کرتا ہوں، اور اسے اپنے آپ سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس دعا میں پہلے اعتراف کیا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ مگر اس انعام کو مقید نہیں کیا تا کہ ہر قسم کی نعمت کو شامل ہو۔ پھر اس کے بعد اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے کہ اس نے اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہیں کیا، اس کوتاہی کو اپنے اعتراف میں مبالغہ کے طور پر کسرِ نفسی میں گناہ شمار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ میں مطلق طور پر گناہ کے صادر ہونے کا اعتراف ہے تا کہ توبہ واستغفار صحیح ہو۔ایسا نہیں ہے کہ وہ مطلق طور پر اپنی کوتاہیوں کو شمار کرتا ہے(کیونکہ اپنی تمام تر کوتاہیوں اور غلطیوں کو شمار کرنا ناممکن ہے)۔

فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ:......اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ جو انسان اپنے گناہوں کا اعتراف کرے، اس کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ جس کے متعلق ایک بہت لمبی وضاحت حدیث افک میں آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس نے دن کے کسی وقت میں یہ کلمات کہے؛ جب کہ سنن نسائی کی روایت کے مطابق صبح کے وقت یہ کلمات کہے۔ یعنی اخلاص دل کے ساتھ،اور ان کے ثواب پر ایمان رکھتے ہوئے؛ اور اس کے تمام مدلولات پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان رکھتے ہوئے کہے۔ اور پھر اس دن وہ شام (سورج غروب) ہونے سے پہلے مر گیا تو وہ

جنت میں داخل ہوگا۔

''یَـدْخُلُ الْجَنَّةَ'' ...... ''جنت میں داخل ہوگا'' اس سے مراد یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ ان پر ایمان رکھتے ہوئے مرنے والا سابقین کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ یا بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا فضل ہے اور اس کے ساتھ ہی حسنِ خاتمہ کی بشارت بھی۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر یہ کہا جائے کہ مومن اگر یہ کلمات نہ بھی کہے تو وہ اہل جنت میں سے ہے؟ (تو پھر اس کا جواب کیا ہے؟) تو میں کہوں گا: ''اس سے مراد یہ ہے کہ وہ انسان ابتدائی طور پر ہی جہنم میں جائے بغیر ہی جنت میں داخل ہوجائے گا۔ اس لیے کہ غالب طور پر ان (کلمات) کی حقیقت پر یقین رکھنے والا، اور ان کے مضمون پر ایمان رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس استغفار کے کلمات کی برکت سے اس کو معاف کردے گا۔''

اگر آپ یہ کہیں کہ ان الفاظ کے سید الاستغفار ہونے میں کیا حکمت ہے؟ تو میں کہوں گا کہ یہ کلمات اور ان جیسے دوسرے کلمات تعبدی (عبادت کے) امور میں سے ہیں۔ اور اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کامل اوصاف میں ہے۔ اور انسان کا اپنی ذات کا تذکرہ انتہائی ناقص صفات و حالات میں ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے سامنے تضرع و عاجزی و انکساری کی انتہاء ہے۔ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ خالق و مالک کی توحید کا اعتراف و اقرار ہے۔ اور ایسے ہی اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی نعمتوں کے مقابلے میں اپنی عبودیت اور گناہوں کا اعتراف ہے جو کہ (حقیقت میں) شکر کا الٹ ہے۔

ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''استغفار کی شرطوں میں سے ایک نیت کا صحیح ہونا اور توجہ اور ادب بھی ہے۔ اگر کوئی ایک یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہو، مگر وہ ان الفاظ کے علاوہ کسی اور الفاظ میں استغفار کرے، یا پھر استغفار تو ان ہی الفاظ میں کرے مگر شروط پوری نہ کرتا ہو تو کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سید الاستغفار بے شک اسی وقت صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے جب

اس میں مذکورہ شرائط پائی جائیں، واللہ اعلم بالصواب۔

فوائدِ حدیث :

۱ افضل ترین استغفار وہی ہے جس کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے وارد ہوئے ہیں۔

۲ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مشروعیت۔

۳ جو کوئی اس دن میں مر جائے جس دن اس نے یہ الفاظ کامل یقین واعتقاد کے ساتھ کہے ہوں، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۴ استغفار کی کثرت گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے۔

معوذتین اور سورت اخلاص کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم صبح کرو یا شام کرو تو تین تین بار سورت اخلاص اور معوذتین (سورۃ فلق اور سورۃ الناس) پڑھ لیا کرو، تمہیں کوئی بھی چیز نقصان نہیں دے گی۔"

شرح :......اس حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو صبح وشام تین تین بار سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ الناس پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا: کہ یہ سورتیں تیرے لیے کفایت کر جائیں گی۔ [1]

ان میں سے پہلی سورۃ اخلاص ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ...."(آپ) کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔"

اس سورت کو اخلاص اس لیے کہتے ہیں کہ اسے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ صرف اور صرف اپنی ذات سے متعلق ہے؛ اس میں کوئی دیگر احکام طہارت، نماز یا خرید و فروخت بیان نہیں کیے گئے۔ یہ سورت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور پھر جو انسان اس

[1] ابو داؤد، اسے علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔

سورت کی تلاوت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اخلاص کو مکمل کر لیتا ہے۔ اس کا پڑھنے والا شرک کی نجاست اور پلیدی سے نجات پا لیتا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ مگر اتنی مقدار میں قرآن کی جگہ کفایت نہیں کرتی۔ یعنی ایک تہائی کے برابر تو ہے مگر اس کی جگہ کافی نہیں ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کوئی چیز کسی کے برابر ہو مگر اس کی جگہ کفایت نہ کر سکے۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ جو انسان کہتا ہے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اور اسی کے لیے تمام تر تعریف ہے، وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔''

یہ کلمات کہنے والے کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام خرید کر آزاد کرنے کے برابر اجر ہے۔ مگر یہ کلمات ایک گردن آزاد کرنے کی جگہ کفایت نہیں کر سکتے۔ پس یہاں پر کسی چیز کے برابر ہونے میں اور اجر و ثواب اور کفارہ کی جگہ کفایت کرنے میں فرق ہے۔ اسی لیے اگر کوئی انسان یہ سورت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ''(آپ) کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔'' نماز میں تین بار پڑھ لے تو اس کے لیے سورت فاتحہ پڑھنے کی جگہ کفایت نہیں کر سکے گی۔ خواہ اس کا تین بار پڑھنا قرآن پڑھنے کے برابر ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

جب کہ سورت فلق ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور سورت الناس ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ یہ دونوں سورتیں نبی کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئیں جب لبید بن عاصم یہودی خبیث نے آپ پر جادو کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کسی بھی پناہ مانگنے والے نے اس سورتوں (کے الفاظ) کی طرح پناہ نہیں مانگی۔''

اس سورت میں صبح کے رب ﴿بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ کی پناہ مانگی جاتی ہے۔ فلق پو پھوٹنے

کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: " فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی" دانے اور گھٹلی کو پھاڑنے والا۔"

پھر کہا جاتا ہے: ﴿ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴾ "اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔" جو بھی چیز اس نے پیدا کی ہے (اور کائنات کی ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی ہی پیدا کردہ ہے)۔

﴿ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴾ :...... "اور اندھیرا کرنے والے کے شر سے جب وہ چھپ جائے۔" یعنی جب رات داخل ہو، اس لیے کہ رات میں کیڑے مکوڑے، وحوش اور بلائیں کثرت کے ساتھ پھیل جاتے ہیں۔ پس اس لیے ہمیں چاہیے کہ جب رات چھا جائے اس وقت ہمیں اندھیرے کے چھا جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

﴿ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ﴾ :...... "اور اُن کے شر سے جو پھونکنے والیاں ہیں گرہوں میں۔" ان سے مراد جادو گرنیاں ہیں جو کہ جادو کی گرہیں لگاتی ہیں، اور پھر ان طلسموں پر پھونکیں مارتی ہیں۔ اور ایسے اس میں شیاطین سے بھی پناہ کی طلب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد کا سوال ہے۔

﴿ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ :..... "اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔" اس سے مراد نظر لگانے والا ہے جب وہ نظر لگائے۔ اس لیے کہ جادوگر بھی اپنا اثر پیدا کرتا ہے، اور نظر لگانے والا بھی اپنا اثر پیدا کرتا ہے، پس ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم صبح کے رب کی پناہ طلب کیا کریں۔

﴿ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ٥ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ٥ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ٥ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ٥ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٥ ﴾

"(آپ) کہہ دیجیے میں پناہ میں آتا ہوں صبح کے رب کی، اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی، اور اندھیرا کرنے والے کے شر سے جب وہ چھپ جائے۔ اور اُن کے شر سے جو پھونکنے والی ہیں گرہوں میں۔ اور حسد کرنے والے کے شر

سے جب وہ حسد کرے۔''

اس سورت کی پہلی تین آیات کی مناسبت ذرا اس آیت سے دیکھیں: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ .... ''اور اندھیرا کرنے والے کے شر سے جب وہ چھپ جائے۔'' اس لیے کہ اکثر بلاء وشر اور فتنہ پوشیدہ ہوتا ہے، ایسے ہی جادو بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی نظر بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ پس یہ حکم دیا کہ صبح کی پُو پھوٹنے کے رب کی پناہ طلب کی جائے، جو رب صبح کو روشن کرتا ہے، یہاں تک کہ ہر چیز سامنے آجائے؛ اور دانے کو پھاڑتا ہے یہاں تک کہ وہ ظاہر اور نمایاں ہو جائے۔ یہ مناسبت مقسم بہ اور مقسم علیہ کی طرف سے ہے۔''

جب کہ دوسری سورت ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ''(آپ) کہہ دیجیے میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے رب کی۔'' یہ ایک دوسری سورت ہے جو کہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o﴾ ''(آپ) کہہ دیجیے میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی۔'' پس وہی لوگوں کا پروردگار اور ان کا بادشاہ ہے؛ جو کہ غلبہ اور حکومت والا ہے۔ جس کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی اور نہ ہی اس کے کلمات تبدیل ہوتے ہیں۔

﴿إِلَٰهِ النَّاسِ﴾ ''لوگوں کے معبود کی۔'' یعنی لوگوں کا وہ معبود جس کی حق کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ o﴾

''وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے جو آنکھوں سے اوجھل ہے۔ جو وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں۔''

ان وساوس سے مراد وہ وسوسے ہیں جو شیطان بنی آدم کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ اور خصوصاً اس دور میں شیطان انسان کے دل میں کتنے ہی زیادہ وسوسے ڈالتا ہے جن کی وجہ

سے وہ اضطراب اور بے چینی کا شکار رہتا ہے۔

سبحان اللّٰہ ! دنیا اپنے نام کی طرح ردی اور گندی چیز ہے۔ اگر اس کا کوئی ایک پہلو مکمل ہوتا ہے تو دوسرے پہلو میں نقص آجاتا ہے۔ ہمارے اس دور میں جو آسائشیں اور نعمتیں میسر ہیں ان کی مثال کسی بھی سابقہ دور میں نہیں ملتی۔ ہر قسم کی نعمتیں وافر مقدار میں ہیں: مال و اولاد، ظاہری اور باطنی نعمتیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس دور میں لوگوں میں وسوسوں اور نفسیاتی امراض اور بلاؤں کی بھی کثرت ہوگئی ہے۔ تاکہ دنیا کسی پر بھی پوری نہ ہو، کہ لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں۔ اس لیے کہ اگر کسی انسان پر ہر طرح سے دنیا کامل ہوجائے تو اسے آخرت بھول جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''اللّٰہ کی قسم ! میں تمہارے بارے میں فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا۔ مگر میں اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ یہ دنیا تم پر کھول دی جائے اور تم اس کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے پر ایسے سبقت لے جانے لگو جیسے تم سے پہلے لوگوں نے اس دنیا میں سبقت لی۔ اور یہ دنیا تمہیں ایسے ہلاک کردے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر چکی ہے۔''

اللّٰہ عزوجل نے اگر اس دنیا کو ایک جانب سے کھولا ہے تو دوسری طرف سے اس کے کئی مکدر پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔ (جو کہ قابلِ غور وفکر ہیں)

اس سورت کا حاصل کلام اور خلاصہ یہ ہے کہ اس سورت میں وسوسوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ وسوسے کبھی انسان کے لیے دین کے بنیادی امور میں بھی پیدا ہوتے ہیں، اور کبھی اللّٰہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے میں، اور کبھی قرآن کے بارے میں تو کبھی رسول اللّٰہ ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں۔ اور کبھی انسان کے دل میں ایسے وسوسے بھی آتے ہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ اس منہ میں کوئلے پڑ جائیں مگر وہ ان کے بارے میں بات نہ کرے۔

ایسے ہی کچھ وسوسے طہارت کے بارے میں بھی ہوتے ہیں۔ انسان کو ایسا وسوسہ لاحق ہوتا ہے کہ کوئی انسان طہارت حاصل (وضوء) کرنے کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتا

ہے۔ یہ ایسا کام ہے جس میں پانچ منٹ بھی نہیں لگتے ؛ مگر وہ پانچ گھنٹے لگا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت میں رکھے۔ ایسے ہی جب نماز شروع کرتا ہے تو تکبیر تحریمہ تقریباً بیس بار کہتا ہے۔ اور کبھی کسی ایک حرف کو کئی بار دھراتا ہے۔ اور بعض لوگ تو ان وسوسوں کے سامنے بالکل ہی عاجز آجاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں: میں بالکل نماز پڑھ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ اس وسوسوں کی بنا پر وہ نماز کو بھی ترک کر دیتا ہے۔

ایسے ہی بعض لوگوں کو اپنے اہل خانہ کے متعلق وسوسے آتے رہتے ہیں۔ انسان یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اس کے اہل خانہ نے اس کے لیے کھانے اور پینے میں جادو کیا ہوا ہے۔ اور وہ انسان (اس وسوسے اور ڈر کی بنا پر) گھر کا کھانا پینا چھوڑ کر ہوٹل سے کھانا شروع کر دیتا ہے۔ اور کوئی ایک اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو ''ام فلاں'' کے نام سے مخاطب کرتا ہے ؛ تو اس میں شیطان ساتھ ہی اپنی طرف سے کہہ دیتا ہے کہ: ''میں نے تجھے طلاق دے دی۔'' اس کی وجہ سے اس انسان کا برا حال ہوجاتا ہے۔ اور ایسے لوگوں میں سے کوئی ایک اگر تلاوت کے لیے قرآن مجید کھولتا ہے تو شیطان اس کے خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم نے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اور پھر اسی سوچ میں وہ انسان قرآن کی تلاوت ترک کر دیتا ہے (اس لیے کہ اگر وہ قرآن تلاوت کرتا رہے تو شیطان اس سے دور بھاگ جائے اور وسوسے ختم یا کم ہوجائیں)۔ ایسے ہی دیگر بھی بہت بڑے بڑے وسوسے ہیں جن کا ختم کرنا بہت آسان بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم ، فواتح الکلم ، اور خواتم الکلم عطا فرمائے تھے؛ ان کے پاس جب اس معاملہ کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''جب تم میں سے کوئی اپنے اندر وسوسہ محسوس کرے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور اس وسوسہ سے رک جائے۔''

اس حدیث مبارکہ میں دو کلمے ہیں: پہلا کلمہ: اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ یعنی کہے:

((أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ))

''میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔''

انسان کو چاہیے کہ یہ کلمات انتہائی صداقت اور اخلاص کے ساتھ کہے۔اور اس کے ذہن میں یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر رہا ہے جس کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

دوسرا کلمہ ہے: ''اور اس وسوسہ سے رک جائے''یعنی اس کا خیال ترک کردے؛ اور اپنی توجہ کسی دوسری طرف موڑ لے۔ اور اپنے آپ سے کہے: ''میں کس لیے وضو کرتا ہوں ؟ اور کس لیے نماز پڑھتا ہوں؟ کیا میں اللہ تعالیٰ سے امید نہیں رکھتا اور اس کا خوف میرے دل میں نہیں ہے؟ انسان جب ایسے کر لے اور وسوسوں سے کلی طور پر اپنی توجہ دوسری طرف موڑ لے۔ اگرچہ شروع شروع میں ایسا کرنا کافی مشکل ہوگا، اور انسان کو کافی دقت اٹھانی پڑے گی۔مگر یہ سب کچھ شروع میں ہوگا؛ آہستہ آہستہ یہ وسوسے بالکل ختم ہوجائیں گے۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ تو اپنی مرضی سے بات تک نہیں کرتے۔آپ نے ہی تو فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور اس وسوسہ سے رک جائے۔''

بس انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبح اور شام یہ تینوں سورتیں پڑھا کرے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

فوائدِ حدیث:

1. ہر صبح اور شام کو یہ سورتیں پڑھنے کی مشروعیت۔
2. ان سورتوں کا پڑھنا انسان کو ہر بری اور مکروہ چیز سے پناہ میں رکھتا ہے۔
3. نبی کریم ﷺ کی اپنی امت سے محبت اور ان کے بارے میں خوف۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اور اسی کے لیے تمام تر تعریف ہے، وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔''

جو انسان یہ کلمات دن میں ایک سو بار کہے؛ اس کے لیے یہ دس گردنیں آزاد کرانے کے برابر ہے۔ اور اس کے لیے سو نیکی (اس کے نامہ اعمال میں) لکھ دی جاتی ہے، اور سو گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور اس کے لیے یہ کلمات پورا دن شیطان سے ڈھال رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ شام کرلے۔ اور کوئی انسان بھی اس سے افضل نہیں لے کر آسکتا سوائے اس کے جو یہ کلمات اس سے زیادہ بار کہے۔ اور جو انسان "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" (اللہ پاک ہے، اور اس کے لیے تعریف ہے) دن میں سو بار کہتا ہے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''[1]

شرح: ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو انسان دن میں ایک سو بار یہ کلمات کہے:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.))

تو اس کو پانچ فائدے حاصل ہوتے ہیں:

1. اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر اجر ہے۔

---

[1] مسلم: ۲۶۹۱.

۲ اس کے نامہ اعمال میں سو نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

۳ اس کے سو گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

۴ اس کے لیے شیطان کے شر سے حفاظت کا سامان ہو جاتا ہے۔

۵ کوئی انسان اس سے بڑھ کر افضل عمل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو یہ کلمات زیادہ تعداد میں کہے۔

یہ کلمات کہنے بہت ہی آسان ہیں۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ آپ فجر کی نماز کا انتظار کرتے ہوئے یہ کلمات کہہ دیں۔ یا مسجد آتے ہوئے راستہ میں کہہ دیے جائیں۔ یا فجر طلوع ہونے کے بعد یہ کلمات کہیں اور ان سے فائدہ حاصل کریں۔ ان کلمات کا ورد کرنا ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں انسان کو باقاعدگی کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی چاہیے کہ دن کے شروع میں یہ کلمات کہہ لے تاکہ وہ پورا دن شیطان کے شر سے محفوظ رہے۔

جب کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ (اللہ پاک ہے، اور اس کے لیے تعریف ہے) جو انسان یہ کلمات دن میں سو بار کہتا ہے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔'' چاہیے کہ یہ کلمات دن کے آخر میں کہے جائیں، تاکہ اس کے دن کے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ پس فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھا جائے، اس لیے کہ عمر تیزی سے گزر رہی ہے۔ اور عمر کا جو حصہ گزر چکا ہے وہ کبھی بھی واپس نہیں آ سکتا۔ اور یہ اعمال انتہائی معمولی اور آسان ہیں؛ ان کا عمل بہت تھوڑا ہے؛ مگر اس پر اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت کے بجالانے پر ہماری مدد فرمائے؛ آمین۔

فوائدِ حدیث:

۱ صبح و شام میں ان اذکار کی مشروعیت۔

۲ اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل و ثواب جس کی کوئی حد ہی نہیں۔

۳ جو انسان دن میں ایک سو بار یہ کلمات کہے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

اس کے لیے وہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اپنی مرضی سے تو بات تک نہیں کرتے۔

۴ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ کہنے والے کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ کی فضیلت

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صبح کے وقت ہی نماز ادا کرنے کے بعد ان کے پاس سے چلے گئے اور وہ اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھر دن چڑھے آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس وقت میں تمہارے پاس سے گیا ہوں تم اسی طرح بیٹھی ہوئی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ (اس پر) نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے بعد ایسے چار کلمات تین مرتبہ کہے ہیں کہ اگر تیرے آج کے وظیفہ کو ان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ان کلمات کا وزن زیادہ ہوگا:

((سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ)) [1]

''اللہ کی تعریف اور اسی کی پاکی ہے اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اس کی ذات کی رضا کے برابر اور اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی

---

[1] مسلم : ٢٧٢٦.

کے برابر۔''

شــرح: ......یعنی نبی کریم ﷺ صبح نماز فجر کے فرض پڑھنے کے بعد تشریف لے گئے اور چاشت کے وقت لوٹ کر تشریف لائے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ پر اسی مصلی پر تشریف فرما تھیں۔ آپ وہیں پر بیٹھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا: ''جب سے میں تمہارے پاس سے گیا ہوں تو میں نے چار کلمات کہے ہیں؛ اور اگر ان چار کلمات کو تمہارے اس تمام ذکر کے برابر کیا جائے جو تم نے صبح سے لے کر ابھی تک کیا ہے تو یہ کلمات تمہارے تمام ذکر کے برابر وزنی ہو جائیں (یا ان پر بھی سبقت لے جائیں)۔

علامہ قاضی عیاض (اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ''یہ کلمات تمہارے تمام ذکر پر غالب آجائیں۔ اور اجر وثواب میں ان سے بڑھ جائیں۔

عَدَدَ خَلْقِهِ: ......یعنی اس کی تمام مخلوقات کی تعداد کے برابر۔

وَرِضَا نَفْسِهِ: ......اور اس کی ذات اقدس کی رضا مندی کے برابر۔ مراد یہ ہے کہ اس مقدار میں (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا) کہ اس کے راضی ہونے کا سبب بن جائے۔ یا اس مقدار میں جس پر وہ اپنی ذات کے لیے تعریف وثنا پر راضی ہوتا ہو۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ دعا میں کہا جاتا ہے: ((مِلءَ ما شئت من شئي بعد)) ......''اور اس کے بعد جس چیز کو تو چاہے اسے بھر کر (آپ کی تعریف ہے)۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''نفس'' کا استعمال کیا گیا ہے، جو کہ بغیر کسی مشابہت ومماثلت کے ایسے ہی ہے جیسے اس کی شانِ کے لائق ہے۔

وَزِنَةَ عَرْشِهِ: ......یعنی اس کے عرش کے وزن کے برابر۔ اس کے عرش کے وزن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ: ......''اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے والے نہیں ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی ختم ہونے

والی نہیں ہے۔اور یہاں پر لفظ "مداد" سے مراد کثرت بھی ہے۔تو جملے کا معنی یوں ہوگا کہ اس کے کلمات کی تعداد کے برابر۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی گنتی یا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مبالغہ اور کثرت ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ "اللمعات" میں فرماتے ہیں:

''یہ دعا (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں) مبالغہ اور کثرت ہے۔ گویا کہ وہ اسی مقدار میں کلام کر رہا ہے۔تو اب اس طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں کہ انسان کہے: ''میں اس مقدار میں تیری تسبیح بیان کرتا ہوں،حالانکہ وہ تو ایک ہی بار اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتا ہے۔''

علامہ سندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر آپ کہیں کہ اس تسبیح کو مذکورہ عدد میں مقید کرنا کیسے درست ہوگا ؛ حالانکہ تسبیح سے تو مراد ہر اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں؛ کیونکہ وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے ؛ اس میں متعدد کا ہونا ممکن نہیں۔اور متکلم کے منہ سے ان الفاظ کے نکلنے کے اعتبار سے بھی ایسا ممکن نہیں، کیونکہ وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا؛ اور اگر فرض کرلیں کہ وہ اس پر قدرت بھی رکھتا ہے تو پھر بھی تسبیح کو اس تعداد کے ساتھ مقید کرنا صرف اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے جب وہ اتنی تعداد میں تسبیح بیان کرے یا اتنی بار تسبیح کہنے کا عزم و ارادہ کرے۔جب کہ صرف ایک بار سبحان اللہ کہنے سے اتنی بڑی تعداد میں تو تسبیح نہیں کہی جاسکتی؟''

(آپ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں:

''یہ قید ذات اقدس کے استحقاق کے لحاظ سے لگائی گئی ہے کہ متکلم سے اس قدر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح بیان ہونی چاہیے۔حاصل کلام یہ ہے کہ یہ تعداد متکلم کے کلام کے لحاظ سے ہے ؛ مگر یہ کلام اس کے منہ سے کلام کے نکلنے کے لحاظ

سے نہیں ؛ بلکہ ذات باری تعالیٰ کے استحقاق کے لحاظ سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کی شان میں اتنی بار تسبیح کہی جائے (تو پھر بھی کم ہوگی) واللہ اعلم۔''

اس حدیث مبارکہ میں ان کلمات کی فضیلت پر دلیل ہے کہ جوکوئی کہے: ''اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے اتنی تعداد میں اور اس وزن کے برابر......الخ وہ اس فضیلت کو پالے گا؛ اور اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا ہی وسیع ہے وہ جس پر چاہے احسان کردے (اتنے اجر وثواب سے نواز دے)۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی جائے گی کہ اگر کوئی انسان کہے کہ جوکوئی صرف یہ کلمات کہتا ہے؛ اسے ان کلمات کا بار بار ذکر کرنے والے کی نسبت کم مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے کہ یہ اللہ کے بندوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک تحفہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ کلمات بتائے اور ان کی طرف رہنمائی فرمائی، جس میں عمل کے لحاظ سے امت کے لیے تخفیف ہے، اور اجر وثواب کے اعتبار سے اس میں اجر وثواب کی کثرت ہے، اور ساتھ ہی اس عمل کے کرنے میں کوئی تنگی یا تھکاوٹ بھی نہیں ہوتی۔'' وللّٰہ الحمد.

فوائدِ حدیث:

1. اس حدیث میں ان کلمات کی فضیلت پر دلیل ہے۔
2. جو یہ کلمات کہتا ہے، وہ اس قدر فضیلت کو پالیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔
3. اس لیے کہ یہ اللہ کے بندوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک تحفہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ کلمات بتائے اور ان کی طرف رہنمائی فرمائی۔

سونے اور جاگنے کے اذکار

سونے کے وقت رسول اللہ ﷺ کی دعا

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سونے کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنی داہنی کروٹ کے بل لیٹتے، اور پھر یہ دعا پڑھتے :

((اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَامَلْجَاَ وَلَامَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ)) [1]

”اے اللہ! میں نے تابع کر دیا ہے، اپنے نفس کو تیرے اور سپرد کر دیا اپنا معاملہ تیری طرف اور متوجہ کیا میں نے اپنا چہرہ تیری طرف اور جھکائی اپنی پشت تیری طرف (جنت کی) رغبت کرتے اور ڈرتے ہوئے تیرے عذاب جہنم سے، نہیں ہے کوئی پناہ گاہ اور نہ جائے نجات تجھ سے مگر تیری ہی بارگاہ، میں ایمان لایا تیری اس کتاب پر، جسے تو نے نازل فرمایا اور تیرے اس نبی پر، جسے تو نے (ہماری طرف) بھیجا۔“

---

[1] بخاری: ٦٣١١۔ مسلم: ٢٧١٠.

شرح: ......نیند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو کہ اس کی کمال قدرت، حکمت اور رحمت پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ (الروم: ۲۳)

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے جو رات اور دن کو تم سو جاتے ہیں اور (جاگ کر) اس کا فضل تلاش کرتے ہو۔''

نیند انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی انتہائی بیش بہا نعمتوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ انسان نیند میں سابقہ تھکاوٹ سے راحت پاتا ہے۔ اور آنے والے کام کے لیے چاک و چوبند ہو جاتا ہے۔ نیند انسان کے لیے ماضی کے وقت میں بھی فائدہ مند ہے اور آنے والے وقت کے لیے بھی۔ دنیا کی زندگی میں نیند کمال کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ دنیا خود ناقص ہے۔ پس یہ نقص نیند سے پورا کیا گیا ہے تاکہ انسان راحت حاصل کر سکے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت نیند نقص ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

''نہ ہی اسے اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حیات کامل ہے۔ اسے نیند کی ضرورت ہی نہیں۔ اور نہ ہی اسے کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگ و بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔

لیکن انسان اس دنیا کی زندگی میں ناقص بشر ہے؛ جسے مکمل ہونے کی ضرورت ہے۔ نیز نیند اس بات کا بھی پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سونے کے وقت انسان کی روح کو قبض کر لیتا ہے، مگر اس وقت پوری طرح قبض نہیں کرتا کہ یہ روح جسم سے مکمل طور پر جدا ہو جائے۔ اس لیے آپ دیکھتے ہوں گے کہ زندہ انسان بھی (نیند کی حالت میں) مرا ہوا ہوتا ہے۔ اسے اپنے آس پاس میں ہونے والے کاموں کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ کسی کی

بات سنتا ہے اور نہ ہی کسی انسان کو دیکھتا ہے اور نہ ہی کوئی بو سونگھتا ہے۔ مگر یہ روح ابھی تک جسم سے مکمل طور پر نہیں نکلی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الزمر: ٤٢)

''اللہ جانوں کو مرتے وقت (اپنے پاس) اٹھالیتا ہے (اس سے مراد بڑی موت ہے) اور جو نہیں مریں ان کو سوتے وقت (اٹھالیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم لگا چکا ان کو تو (اپنے پاس) رکھ چھوڑتا ہے (بدن میں گھسنے نہیں دیتا) اور باقی جانوں کو (جن پر موت کا حکم نہیں لگا) ایک مقررہ مدت تک۔''

اس لیے کہ ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقدار ہے۔ اور ہر ایک چیز کے لیے اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل میں ایک انتہائی پختہ حکمت ہے۔

پس یہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ آپ کچھ لوگوں کے پاس ان کے حجرے میں یا گھر میں، یا کسی خشکی پر چلے جاتے ہیں اور وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں؛ ان کی حالت یہ ہوتی ہے گویا کہ وہ مردہ ہیں کسی چیز کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔ پھر ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھائے گا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾

(الأنعام: ٦٠)

''اور وہی اللہ ہے جو رات کو تم کو سُلا دیتا ہے (یا تمھاری جان اٹھالیتا ہے) اور دن میں جو (کام) کر چکے تھے اُس کو جانتا ہے پھر سوتے سے تم کو ایک مقررہ

مدت پوری ہونے کے لیے جگاتا ہے پھر اسی کی طرف تم کو لوٹ جانا ہے۔‘‘

پھر اس نیند میں انسان کے لیے ایک اور بھی سامان عبرت ہے یعنی مردوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔ اس لیے کہ جو ذات اس بات پر قادر ہے کہ وہ روح کو دوبارہ انسان کے پاس بھیجتی ہے تاکہ وہ نیند سے بیدار ہو، اور دنیا میں اپنے کام کرے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے، بے شک وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

سونے کے آداب

سونے کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ کا فعل ہے، اور اس کا آپ نے حکم بھی دیا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹا کرتے تھے۔ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں دائیں پہلو کے بل لیٹنے کا حکم دیا۔ یہی افضل ہے۔ خواہ قبلہ آپ کے سامنے ہو، یا پیچھے، یا آپ کے دائیں بائیں۔ مگر ضروری یہ ہے کہ انسان اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹے ؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

بعض لوگوں کی عادت بن چکی ہوتی ہے کہ وہ اپنے بائیں پہلو کے بل لیٹتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ دائیں پہلو پر لیٹ بھی جائیں تو انہیں نیند نہیں آتی۔ ایسے لوگوں پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر دائیں پہلو پر لیٹنے کی عادت پیدا کریں۔ اس لیے کہ یہ کوئی عام سی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل سے ثابت ہے۔ جب آپ بھی دائیں پہلو کے بل سوئیں گے تو آپ کو احساس وشعور ہوگا کہ آپ سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ دائیں پہلو کے بل لیٹا کرتے تھے۔ اور آپ کو شعور ہوگا کہ آپ نبی کریم ﷺ کا حکم مان کر چل رہے ہیں، کیونکہ ایسا کرنے کا حکم آپ ﷺ نے خود صادر فرمایا ہے۔ بس اپنے اندر دائیں پہلو کے بل لیٹنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ سنت

نبوی کی اتباع ہو سکے۔

اور ایسے سنت میں سے یہ بھی ہے کہ اگر ممکن ہو تو اپنا دائیاں ہاتھ اپنے دائیں گال کے نیچے رکھ لیں۔ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ کا فعل ہے۔ اگر ایسا کرنا آپ کے لیے آسان اور ممکن ہو تو یہی بہتر اور افضل ہے۔ اگر ایسا کرنا آسان نہ ہو تو اس بارے میں اتنی تاکید نہیں ہے جتنی تاکید احادیث مبارکہ میں دائیں پہلو پر سونے کے بارے میں ہے۔

سونے کے آداب کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ سوتے وقت وہ مسنون اذکار پڑھا کریں جو کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ یہ دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَیْكَ لَامَلْجَاَ وَلَامَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ))

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیں:

((بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِیْنَ))

''تیرے نام کے ساتھ ہی اے میرے رب! رکھا میں نے اپنا پہلو (بستر پر) اور تیرے نام کے ساتھ ہی اٹھوں گا، لہٰذا اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اور اگر تو اسے چھوڑ دے۔'' (اور اس طرح کی دیگر مسنون دعائیں بھی پڑھ لیا کرے)

اہم بات یہ ہے کہ انسان یہ دعائیں پڑھا کرے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت براء بن عازب کو یہ دعائیں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور پھر ارشاد فرمایا: اب مجھے یہ دعا

سناؤ۔ حضرت براء ابن عازب نے دعا سناتے ہوئے کہا:

((وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ))

''اور تیرے رسول پر ایمان لایا جسے تو نے مبعوث کیا ہے۔''

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ایسے کہو:

((وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ وَلَا تَقُلْ بِرَسُوْلِكَ))

''اور میں تیرے نبی پر ایمان لایا جسے تو نے مبعوث کیا ہے، اور تیرے رسول پر، نہ کہو۔''

بعض اہل علم فرماتے ہیں: ایسا اس لیے کہا گیا ہے کہ لفظ '' رسول '' کا اطلاق بشری رسول پر بھی ہوتا ہے اور ملائکہ رسول پر بھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ﴾ (التکویر: ۱۹، ۲۰)

''بے شک یہ قرآن عزت والے زور والے پیغمبر (یعنی حضرت جبرئیل) کا پہنچایا ہوا ہے۔ تخت والے کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے۔''

اور لفظ ''نبی'' کا استعمال صرف بشری نبی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ جب آپ یہ کہیں گے کہ اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے مبعوث فرمایا ہے؛ تو اس میں آپ دونوں کلموں ''نبی اور رسول'' کے لیے اپنی گواہی کو یکجا کر رہے ہیں۔ تو یہ لفظ (یعنی بنبیك) کہنا '' برسولك '' کا کہنے سے زیادہ مناسب تھا۔ اس لیے کہ جب آپ صرف ''برسولک'' کہیں تو اس سے مراد جبریل امین بھی ہو سکتے ہیں جو کہ اللہ کے رسول ہیں، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی لے کر آتے ہیں۔

آپ کو یہ دعا زبانی یاد کرنا چاہیے؛ اور جب آپ اپنے بستر پر لیٹ جائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اور یہ دعا باقی اذکار و دعاؤں کے آخر میں پڑھنی چاہیے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ

کا طریق کار یہی تھا۔ اور ایسا کرنا سونے کے آداب میں سے ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی حکمت میں سے ہے کہ آپ کوئی بھی ایسا فعل نہیں پائیں گے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ لباس پہننے کے لیے مخصوص ذکر ہے، کھانے کا ذکر، پینے کا ذکر، سونے کے اذکار، یہاں تک کہ اگر آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے تو اس کے لیے بھی خاص اذکار ہیں۔ ہر ایک چیز کے لیے ذکر (ودعا) ہے۔ یہ اسی لیے ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ اور اس کی یاد ہمیشہ انسان کے دل میں سمائی رہے۔ اور زبان اس کے ذکر سے تر رہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس نعمت پر اپنا شکر ادا کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فوائدِ حدیث:

① دائیں کروٹ کے بل لیٹنے کا مستحب ہونا۔

② اس دعا کے پڑھنے کا مستحب ہونا۔

③ نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کا واجب ہونا، اور اس میں تحریف سے بچنا۔

سونے کے اذکار

سیّدہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ اپنی آرامگاہ پر تشریف لے جاتے تو اپنا دائیاں ہاتھ اپنے دائیں گال کے نیچے رکھتے، اور پھر فرماتے:

((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيَا))

''اے اللہ! تیرے ہی نام کے ساتھ میں مرتا (سوتا) اور زندہ ہوتا ہوں۔''

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرِ)) [1]

---

[1] بخاری: ٦٣١٤.

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں زندہ کیا، ہمارے مرنے کے بعد اور اس کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔''

شرح: ......اس حدیث مبارکہ کی رو سے انسان کو چاہیے کہ سوتے وقت اپنا سیدھا ہاتھ دائیں گال کے نیچے رکھ کر سونا چاہیے۔ ایسا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ افضل ہے۔ اگر ایسا کرنے میں آسانی ہو تو ایسا کرنا چاہیے۔ ورنہ اس معاملہ میں وسعت ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب سونے کے لیے اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے:

((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيَا))

''اے اللہ! تیرے ہی نام کے ساتھ میں مرتا (سوتا) اور زندہ ہوتا ہوں۔''

یعنی میرا مرنا اور میرا زندہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی ہے۔ یہاں پر موت سے مراد نیند ہے۔ اس لیے کہ نیند کو بھی قرآن میں وفات کہا گیا ہے۔ یا پھر اس سے مراد بڑی موت بھی ہوسکتی ہے جس میں انسان کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

(الأنعام: ١٦٢)

''(اے پیغمبر) کہہ دے میری نماز اور قربانی (یا ہر ایک عبادت یا دین) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔''

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرِ)) [1]

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں زندہ کیا، ہمارے مرنے کے بعد اور اس کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔''

---

[1] بخاری: ٦٣١٤.

یہ دعا اس بات کی تائید کرتی ہے کہ یہاں پر اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا میں موت سے مراد نیند ہے۔ جو کہ چھوٹی موت ہے۔

فوائدِ حدیث:

① دائیں کروٹ پر لیٹنے کا مستحب ہونا۔

② اس دعا کا پڑھنا۔

③ نبی کریم ﷺ کی اتباع کا واجب ہونا۔

بیداری کے وقت ذکر کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَأْسِ اَحَدِکُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، یَضْرِبُ کُلَّ عُقْدَةٍ، عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ، فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَاِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَاِنْ صَلّٰی انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِیْطًا طَیِّبَ النَّفْسِ، وَاِلَّا أَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ)) [1]

”تم میں سے ہر ایک کی گدی پر سونے (کی حالت) میں شیطان تین گرہیں باندھ دیتا ہے۔ اور ہر گرہ پر پھونک دیتا ہے کہ ابھی بہت رات پڑی ہے ابھی سو جاؤ۔ جب وہ شخص بیدار ہو کر اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری بھی کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور اس کی صبح فرحت و انبساط اور شگفتہ خاطری سے نمودار ہوتی ہے (اور دن بھر یہی کیفیت رہتی ہے) ورنہ کبیدہ خاطری اور کسل مندی سے دوچار رہتا ہے۔“

---

[1] بخاری: ۱۱۴۲.

مشکل الفاظ کے معانی:

يَعْقِدُ:......گرہیں لگاتا ہے۔

قَافِيَةِ:......سر کا پچھلا حصہ گدی۔

فَارْقُدْ:......سو جا؛ بیدار ہونے میں جلدی نہ کر۔

طَيِّبَ النَّفْسِ:......خوشحال، خوش طبیعت۔ فرحت وانبساط، شگفتہ نفس۔

خَبِيْثَ النَّفْسِ:......کبیدہ خاطری؛ سستی اور کاہلی۔

شرح:......احتمال یہ ہے کہ انسان کی گدی میں گرہیں لگانے سے مقصود اس پر جادو کرنا ہو۔ تاکہ اسے نماز کے لیے اٹھنے سے روکا جاسکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾

''اور اُن کے شر سے جو پھونکنے والیاں ہیں گرہوں میں۔''

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب وہ سوتا ہے۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان کا گرہیں لگانا سونے کے وقت میں ہوتا ہے۔

يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ مَكَانِهَا:......اور ہر گرہ پر پھونک دیتا ہے کہ ابھی بہت رات پڑی ہے ابھی سو جاؤ۔'' یہی شیطانی ہتھکنڈے سے مقصود ہوتا ہے اور اسی لیے وہ گرہیں لگاتا ہے کہ وہ انسان کو احساس دلائے کہ ابھی بہت لمبی رات پڑی ہے، اور وہ سو جائے۔ تاکہ وہ اسے بیدار ہونے سے روک سکے؛ اور اس پر معاملہ کو خلط ملط کردے۔ اس لیے کہ رات کے باقی حصہ میں اتنی وسعت نہیں ہوتی (کہ انسان اٹھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرسکے)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کا حل بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے، وضو کرنے سے، اور نماز پڑھنے سے یہ تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ [1] اور اس طرح مسلمان شیطان کی چالوں اور اس کی گرہوں کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور وہ چستی شگفتگی کی حالت میں صبح کرتا ہے، اس لیے کہ اس نے رات میں نیک کام کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا نفس صبح میں سست، کاہل اور

---

[1] صحيح بخاري: ١١٤٢.

پراگندہ ہوتا ہے، اس لیے کہ شیطان کو اس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس پر شیطانی گر ہیں لگی ہوتی ہیں جو کہ اسے نیکی سے کاموں میں پیچھے رکھنے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔

فوائدِ حدیث:

① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کئی طریقوں سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے اور نماز قائم کرنے سے روکتا ہے، خواہ انسان سویا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔

② اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے، ایسے ہی وضو کرنے سے بھی نماز پڑھنے سے بھی شیطان فرار ہو جاتا ہے۔

③ اس حدیث میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔

نیند سے بیدار ہونے کی دعا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرِ))

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں زندہ کیا، ہمارے مرنے کے بعد اور اس کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَحْيَانَا: ......ہمیں زندہ کیا (نیند سے بیدار کیا)۔

اَمَاتَنَا: ......ہمیں موت دی (یعنی نیند سے موت دی)۔

النُّشُوْرِ: ......اٹھنا (قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا جانا)۔

شــرح: ......اس حدیث کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے سونے اور جاگنے کے لیے، اور کھانے پینے کے لیے اس کے شروع و آخر میں کچھ

اذ کار مشروع کیے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ بیت الخلاء میں آنے جانے اور لباس پہننے کے لیے بھی اذ کار ہیں۔ یہ سب چیزیں اس لیے ہیں کہ تا کہ ہماری زندگی کی گھڑیاں اللہ تعالیٰ کی یاد سے معمور رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے لیے یہ چیزیں مشروع نہ کرتے تو ان کی جگہ بدعتیں ہوتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ اذ کار مشروع کیے ہیں تا کہ وہ اس اطاعت گزاری کی وجہ سے ہم پر اپنی نعمتیں اور زیادہ کرے۔ ان ہی نعمتوں میں سے ایک یہ حدیث بھی کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی خواب گاہ میں سونے کی نیت سے جاتے تو آپ فرماتے:

((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيَا))

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی دینے والا ہے، وہ جسے چاہے زندہ کر دے، اور جسے چاہے موت دے دے۔ نیند بھی چھوٹی موت ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ (الأنعام: ٦٠)

''اور وہی اللہ ہے جو رات کو تم کو سُلا دیتا ہے اور دن میں جو (کام) کر چکے تھے اُس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا تا ہے۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾

''اللہ جانوں کو مرتے وقت (اپنے پاس) اٹھالیتا ہے؛ اور جو نہیں مریں ان کو سوتے وقت (اٹھالیتا ہے)۔''

اسی لیے جب نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ))

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں زندہ کیا، ہمارے مرنے کے بعد اور اس کی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔''

پس آپ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں جس نے موت کے بعد آپ کو زندہ کیا۔اور اس بات کو یاد کرتے ہیں کہ قبروں سے اٹھ کر (زندہ ہوکر) پھر اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ پس آپ اپنی اس چھوٹی موت کی وجہ سے بڑی موت کو یاد کرتے ہیں اور آپ کہتے ہیں: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ)) اس نیند میں ؛ جسے اللہ تعالیٰ نے بدن کے لیے سابقہ تھکاوٹ سے راحت اور آنے والے کاموں کے لیے چستی کا ذریعہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عظیم الشان حکمت کی دلیل ہے۔اور ایسے ہی اس میں آخرت کی زندگی کی یاد ہے کہ آپ وہ گھڑیاں یاد کرتے ہیں جب آپ اپنی قبر سے اٹھ کر اللہ تعالی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔اس سے قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان مزید پختہ ہوتا ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔اس لیے کہ اگر انسان کا یہ ایمان نہ ہو کہ اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کے اعمال پر اسے بدلہ دیا جائے گا تو وہ ہرگز عمل نہ کرتا۔اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر ایمان کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی آخرت پر ایمان کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبة)

’’وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔‘‘

ان معانی میں اور بھی بہت ساری آیات پائی جاتی ہیں۔

فوائدِ حدیث:

١ ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا مستحب ہونا۔

٢ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل پر اس کا کثرت کے ساتھ ذکر وشکر۔

٣ جاگتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا استحباب۔

٤ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اپنی آخرت اور دوبارہ اٹھائے جانے کو یاد کرتا رہے۔

بیت الخلا میں آنے جانے کی دعائیں

بیت الخلا جانے کی دُعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) [1]

''اے اللہ! میں تیری حفاظت میں آتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے۔''

شرح: ......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں میں سے تھے، ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قضائے حاجت کا طریقہ نقل کررہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بارگاہ میں کثرت التجاء کی وجہ سے کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں چھوڑتے تھے۔ جب آپ کسی ایسی جگہ چلے جاتے جہاں آپ نے اپنی حاجت پوری کرنی ہوتی تو آپ اللہ کی پناہ مانگتے؛ اور اس کی بارگاہ میں ملتجی ہوتے کہ وہ آپ کو ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے، اور اسی شر میں سے ایک نجاست بھی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خبیث جنّات کے شر سے محفوظ رکھے۔ خبیث جنات وہ شیاطین ہوتے ہیں جن کی ہر حال میں کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان پر اس کے دین وعبادت کے معاملہ میں فساد برپا کردیں۔ تو اس وقت کے لیے مشروع پایا کہ یہ کہا جائے:

---

[1] بخاری: ١٤٢ ـ مسلم: ٣٧٥.

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''اے اللہ! میں تیری حفاظت میں آتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے۔''

دعا کے یہ الفاظ خاص قضائے حاجت کی جگہ میں داخل ہونے سے پہلے کہے جائیں نہ کہ داخل ہونے کے بعد۔ یہاں پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ: " خبث " سے مراد شر و برائی ہے، اور خبائث سے مراد اہل شر (برے لوگ) ہیں۔ گویا کہ آپ یہ الفاظ کہہ کر برائی اور برے کام کرنے والوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ: ''خبث'' خبیث کی جمع ہے جس سے مراد شیاطین ہیں؛ اور خبائث سے مراد شیطان جنیاں ہیں۔ اس لحاظ سے (یہ دعا پڑھتے ہوئے) گویا کہ آپ شیطان جنات کے مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس موقع پر یہ ذکر و دعا اس لیے مناسب ہے کہ بیت الخلاء (واش روم وغیرہ) گندی جگہیں گندے جنات اور شیاطین کا ٹھکانہ ہوتی ہیں۔

جب نبی کریم ﷺ جن کی حفاظت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی تھی، آپ بھی برائی سے اور برے لوگوں سے، گندے جنات و شیاطین کے مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے؛ تو ہم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے اپنے دشمن سے احتیاطاً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

فوائدِ حدیث:

1. بیت الخلاء میں جاتے ہوئے اس دعا کے پڑھنے کا مستحب ہونا تاکہ ان شیاطین سے محفوظ رہا جاسکے جو انسان کی نمازیں خراب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔
2. خاص گندی اور نجاست کی جگہوں پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔
3. شیاطین کی ایذاء رسانی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے لیے پلید ہونے کا سبب بنتے ہیں، تاکہ اس کی نمازیں فاسد کریں۔ پس انسان کو چاہیے کہ ان سے پناہ مانگتا رہے تاکہ ان کے شر سے بچ سکے۔
4. گندگی سے بچنے کا واجب ہونا۔ اور ایسے اسباب اختیار کرنا تاکہ انسان نجاست سے بچ

سکے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا کہ پیشاب سے نہ بچنا عذاب قبر کے اسباب میں سے ہے۔

بیت الخلا سے نکلنے کی دُعا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے:

((غُفْرَانَكَ)) [1] ''(اے اللہ میں) تیری بخشش چاہتا ہوں۔''

شــرح: ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر حال میں ذکر واذ کار سکھایا کرتے تھے۔ اس موقع پر آپ ہمیں تعلیم دے رہے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب انسان اس حالت میں ہوتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں کمی و کوتاہی واقع ہوتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی جاتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جو تقصیر ہم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے ذکر و شکر میں واقع ہوتی ہے، اس پر مغفرت کی طلب ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر طرح طرح کے انعامات کیے ہیں، اور کھانے پینے کی چیزوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے؛ اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان بھی ہے کہ اس کے لیے کھانا پینا اور پھر اس کے فضلے کو خارج کرنا آسان کر دیا؛ اس فضلے کو انسان کو اندر روک کر نہیں رکھا جس سے اسے کوئی تکلیف پہنچے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے مقابلے میں ادائے شکر میں جو کمی و کوتاہی واقع ہوتی ہے، اس پر مغفرت کی طلب ہو۔ اس دعا میں ان تمام باتوں کا احتمال ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تمام امور اپنی جگہ پر درست بھی ہیں۔ اس لیے کہ انسان کو یہ نعمتیں حاصل ہیں جن کا شکر وہ ادا نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی جاتی ہے۔

فوائدِ حدیث:

☒ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس وشعور کریں۔

---

[1] ترمذی: ۷ ۔ ابو داؤد: ۳۰۔ صححه الألباني في أرواء الغليل: ۵۲.

۲۔ یہ کہ ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنی نعمتوں کا شکرادا کرنے کے لیے ہماری مدد فرمائے؛ خواہ یہ نعمت کھانے پینے کی صورت میں ہو یا پیٹ سے نکلنے والے فاضل مادے کی صورت میں۔

۳۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہونے والی کمی وکوتاہی پر فوراً توبہ واستغفار کرے۔

لباس سے متعلق دعائیں

لباس پہننے کی دُعا

ابو العلاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی کپڑا پہنے اور یہ دعا پڑھے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا (الثَّوْبَ) وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ)) [1]

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے پہنایا یہ (لباس) اور عطا کیا مجھے یہ میری ذاتی قوت اور طاقت کے بغیر۔''تو اس انسان کے پہلے کے (صغیرہ) گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

كَسَانِيْ : ...... مجھے پہنایا، یا مجھے عطا کیا۔

مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ : ......میری طاقت اور چارہ کار کے بغیر۔

شرح :......اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب انسان لباس پہنتا ہے تو وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اسی ذات نے اسے یہ لباس پہنایا اور عنایت فرمایا۔ یہ سب کچھ

---

[1] صحیح؛ ابي داؤد: ٤٠٢٣

اللہ تعالیٰ کی دین ہے خواہ کچھ کھانے پینے کا ہو یا پہننے کا لباس۔ اور ان میں سے ہر ایک چیز سے انسان کو فائدہ حاصل ہوتا ہے خواہ وہ مال ہو یا اولاد یا بیوی، یا کھانا پینا یا لباس۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں۔ جب انسان ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور زیادہ ہوجاتا ہے، اور اس پر اس انسان کو جزا یہ ملتی ہے کہ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

فوائدِ حدیث :

۱۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کی جو بھی نعمت ہے، اس پر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ ہر قسم کا رزق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں انسان کا اپنا کوئی اختیار و دسترس نہیں ہے۔

۳۔ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا عادی ہونا چاہیے۔

لباس اُتارتے وقت کی دُعا

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب بنی آدم میں سے کوئی اپنے کپڑے اتارے تو اس کی شرم گاہ کے اور جنات کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ)) [1] "اللہ کے نام کے ساتھ۔"

شرح : ...... بسم اللّٰہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے جب انسان کپڑے اتارتا ہے تو جنات (اور شیاطین) بنی آدم انسان کی شرمگاہوں کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان صرف اتنے ہی الفاظ کہے جو حدیث سے ثابت ہیں، اس کو مکمل نہ کرے، یعنی پوری بسم اللّٰہ نہ پڑھے۔

---

[1] صحیح الجامع: ۱/ ٦٧٥۔

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان الفاظ کے پردہ سے انسان جنات کے شر سے محفوظ رہتا ہے، پس اسے چاہیے کہ ان الفاظ کے کہنے میں غفلت نہ برتے۔ اس لیے کہ جنات کا آدمیوں کے ساتھ اختلاط ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض ایسے جنات بھی ہوتے ہیں جو ان میں سے شادی بیاہ بھی کر لیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان جنات کی عورتوں میں ان کے شریک ہوتے ہیں؛ اور جنات انسانوں کی عورتوں میں ان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ جب انسان یہ چاہتا ہو کہ وہ جنات کو اس شراکت سے دور رکھے تو اسے چاہیے کہ "بسم اللہ" کہہ دیا کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بنی آدم کو دی جانے والی ہر نعمت پر ایک ڈھکن ہے؛ جنات اس ڈھکن کو اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ [1]

فوائدِ حدیث:

[۱] انسان کو چاہیے کہ اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرے۔

[۲] اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے شیطان بھاگ جاتے ہیں، اور انسان کی راہوں سے دور ہو جاتے ہیں۔

[۳] اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کے لیے جنات اور ان کی نظروں سے ایک ڈھال ہے۔

نیا لباس پہننے کی دُعا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو اس کا نام لیتے یا تو قمیص یا عمامہ، پھر فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ)) [2]

---

[1] فیض القدیر : ٤/١٢٨.

[2] أبو داؤد : ٤٠٢٠ ـ مختصر شمائل الترمذی للالبانی، ص: ٤٧.

''اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، تو نے ہی مجھے یہ لباس پہنایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کی بھلائی کا اور اس کام کی بھلائی کا جس کے لیے اسے تیار کیا گیا ہے اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس کے شر سے اور اس کام کے شر سے جس کے لیے اسے تیار کیا گیا ہے۔''

شرح: ...... یہ دعا انسان اس وقت پڑھتا ہے جب وہ کوئی نیا لباس پہنتا ہے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ انسان اپنے لیے کسی قسم کے بھی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا؛ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہو۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جو کچھ ہم پہنتے ہیں جو کچھ ہم کھاتے ہیں، اور پیتے ہیں ؛ وہ سب اللہ کی طرف سے نعمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی ان نعمتوں کو ہمارے لیے پیدا کیا ہے۔ اور پھر اگر اللہ تعالیٰ ان کا حصول ہمارے لیے آسان نہ کر دیتے تو ہم کبھی بھی انہیں حاصل نہ کر سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور ہمارا مال و اسباب ہماری آنکھوں کے سامنے ضائع کر دے تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ ہمارے مال و اسباب ہمارے سامنے ہوں مگر اس میں ہمارے کھانے پینے اور پہننے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ جیسا کہ سورت الملک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ﴾

''بھلا بتلاؤ تو سہی اگر تمھارا پانی (جو تم پیتے ہو اور پلاتے ہو) زمین کی تہہ میں اتر جائے تو'' (پھر اللہ کے سوا) کون ہے جو تم کو پاک (یا بہتا ہوا) پانی لا کر دے۔''

پس جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ ان من جملہ نعمتوں میں سے ایک نعمت لباس بھی ہے۔ جب آپ پر اللہ تعالیٰ نئے لباس کا انعام کریں خواہ وہ شلوار و قمیض ہو یا ٹوپی و پگڑی وغیرہ، تو اس لباس کو پہنتے ہوئے کہنا چاہیے:

((اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ))

یہاں پر لباس کا نام لے کہ یہ ٹوپی، سوٹ وغیرہ۔ جو بھی نیا لباس آپ پہن رہے ہوں، اس پر اللہ کی حمد بیان کریں:

((اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ اَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ))

اس لیے کہ بیشتر اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لباس آپ کے لیے شر کا ذریعہ بن جائے۔ اور- اللہ نہ کرے- ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کپڑے کے دامن کو چنگاری لگ جائے جس سے بننے والی آگ آپ کو بھی لپیٹ میں لے لے؛ اور آپ کا کام تمام کردے۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کپڑے میں کوئی ایسی زہریلی چیز ہو جس کے متعلق آپ کو کوئی علم نہ ہو، پس آپ یہ دعا پڑھ لیں:

((وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ))

اس لیے کہ کبھی کپڑا تیار کیا جاتا ہے، مگر وہ شر کا سبب بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کپڑا پہن کر انسان تکبر کرنے لگ جائے۔ یا لوگوں پر اپنی خوشحالی کو فخر سے ظاہر کرے۔ یا ایسا ہو کہ یہ لباس کسی فتنہ (وآزمائش) کا سبب بن جائے۔ یہ چیز تو شر و فساد میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ آج کل کے خواتین کے وہ لباس جو کہ مغرب کے تیار کردہ ہیں؛ اور جنہیں پہن کر خواتین ایک دوسری پر اپنی برتری جتاتی ہیں، اور اس قسم کے لباس میں مغرب کی کافر خواتین کی مشابہات اختیار کرتی ہیں؛ جن کی وجہ سے لوگ فتنہ و فساد میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ (ایسے لباس سے بچنا چاہیے اور جو بھی لباس پہنا جائے، اس سے پہلے مسنون دعا پڑھ لینی چاہیے تاکہ انسان شر سے محفوظ ہو جائے)۔

فوائدِ حدیث:

① جب انسان پر کوئی نعمت ہو، یا اسے کچھ رزق ملے تو اسے چاہیے اللہ کی حمد بیان کرے۔

﴿۲﴾ لباس پہنتے وقت اس دعا کی مشروعیت کا بیان۔
﴿۳﴾ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس سے حفاظت طلب کرتے رہنا چاہیے۔

نیا لباس پہننے والے کو دُعا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ایک سفید کرتا دیکھا تو آپ نے پوچھا: کیا یہ کرتا نیا ہے کہ دھلایا ہوا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: نہیں، بلکہ دھلایا ہوا ہے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِلْبَسْ جَدِيْدًا وَّعِشْ حَمِيْدًا وَّمُتْ شَهِيْدًا)) [1]

''تو نیا لباس پہن، اور باعزت زندگی گزار اور فوت ہو تو شہید بن کر۔''

شــــرح: ......اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے دعا وارد ہوئی ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو نیا لباس پہنے ہوئے دیکھے تو اسے کیا دعا دے؟ جب کوئی انسان کسی کو دیکھے کہ اس نے نیا لباس پہنا ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں یہی الفاظ کہنے چاہئیں۔

یہاں پر ''نیا لباس پہن'' کا یہ حکم بطور دعا کے وارد ہوا ہے۔اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام کے ساتھ محبت، بے تکلفی اور ان کی خاطر داری بھی واضح ہوتی ہے۔

فوائدِ حدیث:

﴿۱﴾ جب کوئی انسان اپنے کسی بھائی کو نیا لباس پہنے ہوئے دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ ان الفاظ میں اپنے بھائی کو دعا دے۔
﴿۲﴾ ایسا کرنے سے مسلمان کے درمیان آپس میں پیار و محبت اور الفت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ظاہر ہے۔
﴿۳﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام کے ساتھ محبت، بے تکلفی اور ان کی خاطر داری۔

---

[1] صحیح ابن ماجہ ۳۵۵۸.

کھانے پینے کے اذکار

کھانا شروع کرنے سے پہلے کی دُعا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے لگے تو اسے بِسْمِ اللّٰہِ (اللہ کے نام کے ساتھ (کھانا) شروع کرتا ہوں) کہنا چاہیے اور اگر شروع میں کہنا بھول جائے تو اُسے یہ کہنا چاہیے:

((بِسْمِ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِہٖ وَاٰخِرِہٖ))

''اللہ کے نام کے ساتھ (کھانا شروع کرتا ہوں) اس کے شروع اور آخر میں۔'' [1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

''جب آدمی اپنے گھر داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ آج تمہارے لیے اس گھر میں رات گزارنے کی جگہ نہ ملی اور جب کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ رات گزارنے کی جگہ اور شام کا کھانا مل گیا۔'' [2]

شرح: ......کھانا کھاتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ کہنا واجب ہے۔ جب انسان کھانے

---

[1] صحیح الجامع: ۳۸۰.　[2] مسلم: ۲۰۱۸.

پینے میں بِسۡمِ اللّٰہِ ترک کر دے تو اس پر وہ گنہگار ہوتا ہے، اور شیطان اس کے ساتھ اس کھانے پینے میں شریک ہوجاتا ہے۔اور کوئی بھی یہ بات برداشت نہیں کرتا کہ اس کا دشمن کھانے پینے میں اس کے ساتھ شریک ہو۔ اور جب انسان بسم اللہ کہہ لیتا ہے تو شیطان کی شراکت سے بچ جاتا ہے۔اگر ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ '' پوری بھی پڑھ لی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر صرف بِسۡمِ اللّٰہِ پر اکتفاء کر لیا تو بھی درست ہے۔ اور اگر کھانے کے شروع میں بِسۡمِ اللّٰہِ کہنا بھول جائیں تو درمیان میں یا آخر میں جس وقت بھی یاد آجائے تو ((بِسۡمِ اللّٰہِ فِیۡ اَوَّلِہٖ وَاٰخِرِہٖ)) کہہ لیا جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق انسان اگر کھانے میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہتا ہے۔ [1]

جب کہ دوسری حدیث میں گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں:

((بِسۡمِ اللّٰہِ وَلَجۡنَا وَبِسۡمِ اللّٰہِ خَرَجۡنَا، وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا، تَوَكَّلۡنَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ أَسۡأَلُكَ خَیۡرَ الۡمَوۡلَجِ وَخَیۡرَ الۡمَخۡرَجِ))

''اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہمارا گھر میں داخل ہونا ہے۔ اور اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہمارا نکلنا ہے، اور ہم نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا۔اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں گھر میں داخل ہونے کی بہتری اور گھر سے نکلنے کی بھلائی کا۔''

گھر میں داخل ہونے کی یہ دعا ہے،خواہ گھر میں جانا رات کے کسی پہر میں ہو یا دن میں۔ جب کہ کھانا کھاتے ہوئے اسے بِسۡمِ اللّٰہِ کہنی چاہیے۔ جب انسان کھانا کھاتے ہوئے بھی اللہ کا نام لے لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: '' نہ ہی تمہیں رات کا

---

[1] صحیح الجامع : ۸۳۹.

کھانا ملا اور نہ ہی تمہیں رات گزارنے کے لیے جگہ ملی۔'' اور جب انسان اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: ''تمہیں رات کا کھانا بھی مل گیا اور رات گزارنے کے لیے جگہ بھی مل گئی'' اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے شیطان اس کے ساتھ کھانے میں اور رات گزارنے میں شریک ہو جاتا ہے۔

فوائدِ حدیث:

① گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے ہوئے بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا۔

② واجب تو یہ ہے کہ مسلمان کھانے کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ کہے۔ اور اگر یاد نہ رہے تو یاد آنے پر ((بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ أَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ)) کہہ دے۔

③ شیطان بھی کھاتا پیتا ہے۔ اور اس کھانے میں شریک ہوتا ہے۔ جب کھانا کھانے والا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو شیطان بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

دودھ پینے کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس انسان کو اللہ تعالیٰ کوئی بھی کھانا کھلائے اسے چاہیے کہ وہ یوں کہے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ))

''اے اللہ! برکت عطا کر ہمارے لیے اس میں اور کھلا ہمیں زیادہ بہتر اس سے''

اور جسے اللہ دودھ پلائے، اُسے کہنا چاہیے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ)) [1]

''الٰہی! برکت فرما ہمارے لیے اس میں اور زیادہ دے ہمیں اس سے بھی۔'' اس لیے کہ میں کوئی کھانا ایسا نہیں جانتا جو کھانے اور پینے کی جگہ کفایت کر جائے

[1] صحيح ابن ماجه : ٣٣٢٢.

سوائے دودھ کے۔''

شرح: ......ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ''جب تم میں کوئی ایک کھائے'' (یہ دودھ کے علاوہ دوسری چیزوں کو بھی شامل ہے۔)

''برکت عطا کر ہمارے لیے'' یعنی اس کی خیر و بھلائی زیادہ ہو، اور یہ نعمت بڑھے اور ہمیشہ رہے۔'' اور ہمیں اس سے بہتر کھلا'' اس سے مراد جنت کے کھانے ہیں۔

(اور دودھ پینے کی دعا میں فرمایا): ''اس سے بھی زیادہ ہمیں دے'' یہ نہیں کہا: اس سے بہتر دے۔ اس لیے کہ دنیا میں کوئی کھانا دودھ سے بہتر نہیں۔ اس لیے کہ دودھ کے علاوہ کوئی کھانا ایسا نہیں جو کھانے اور پینے کی جگہ کفایت کر جائے۔ اس سے پیاس بھی ختم ہوتی ہے اور بھوک بھی۔''

فوائدِ حدیث:

1. کھانے کے بعد دعا میں (پہلے کھانے سے) بہتر کھانا مانگنے کی مشروعیت سوائے دودھ کے۔
2. دودھ پی کر یہ دعا کرنا: ''یا اللہ ہمیں یہ نعمت زیادہ عطا کر۔
3. دودھ اہل جنت کے کھانوں میں سے ایک کھانا ہے۔

کھانے اور پینے کے بعد کی دعائیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس بندے پر خوش ہوتا ہے جو ایک کھانا کھا کر اس پر اللہ کا شکر ادا کرے یا جو بھی چیز پیئے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔'' [1]

شرح: ......یہ حدیث دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کسی معمولی سبب کی بدولت بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے چھوٹے سے سبب پر بھی راضی ہو جاتے ہیں کہ انسان کھانے سے فراغت کے بعد کہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) اور جب کوئی چیز

---

[1] مسلم: ٢٧٣٤.

پی لے تو کہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) اس کے لیے کھانے اور پینے کے کچھ قولی آداب ہیں اور کچھ فعلی آداب ہیں۔

فعلی آداب یہ ہیں کہ انسان اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور پیئے ؛اس کے لیے بائیں ہاتھ سے کھانا پینا حلال نہیں ہے۔ راجح قول کے مطابق ایسا کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، اورآپ نے بتایا ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی نے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپ نے فرمایا: ''اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔'' تو اس آدمی نے جواب دیا: ''میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔'' تو آپ نے فرمایا: ''تو ایسا نہ کرسکے۔'' اس کے بعد یہ آدمی اپنا دائیاں ہاتھ اپنے منہ تک نہیں لے جاسکا، جو کہ اس کے اس متکبرانہ فعل کی سزا ہے؛ والعیاذ باللّٰہ .

جب کہ قولی آداب یہ ہیں : کھانے (یا پینے) کے وقت اللہ کا نام لیا جائے، یعنی بِسْمِ اللّٰہِ کہے۔ صحیح روایات کے مطابق کھانے اور پینے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ کہنا واجب ہے۔ اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب وہ کھانے یا پینے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ نہ کہے تو شیطان اس کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوجاتا ہے۔

اگر انسان شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ کہنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے تو ((بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ)) کہہ دے۔اور ایسے جب کوئی دیکھے کہ کوئی انسان بسم اللہ کہنا بھول گیا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کو یاد دلا دے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن ابی سلمہ- جو کہ آپ کے لے پالک تھے- کو بِسْمِ اللّٰہِ کہنا یاد دلایا تھا، اور فرمایا تھا: ''اے نوجوان ! بِسْمِ اللّٰہِ کہو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب بہت سے لوگ مل کر کھانا کھا رہے ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر بِسْمِ اللّٰہِ کہنا واجب ہوتا ہے۔ اور کسی ایک انسان کا بِسْمِ اللّٰہِ کہنا سب لوگوں کی طرف سے کافی نہیں ہوجاتا۔

شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ کہنا کھانے پینے کے واجب اورقولی آداب میں سے ہے۔ جب کہ کھانا ختم کرنے کے آداب میں سے الحمد للہ کہنا ہے۔یعنی انسان اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے، جس نے اس کے لیے یہ کھانا میسر کیا، کسی اور کی طاقت نہیں تھی کہ وہ اسے میسر کر سکے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾

(الواقعة : ٦٣، ٦٤)

’’بھلا دیکھو تو سہی تم جو (اناج وغیرہ بوتے ہو۔کیا تم اسکو اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔‘‘

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○﴾ (الواقعة: ٦٨، ٦٩)

’’بھلا دیکھو تو سہی جو پانی تم پیتے ہو۔کیا تم نے اس کو ابر (بادل) سے اتارا یا ہم نے اتارا۔‘‘

اگر اللہ تعالیٰ اس زراعت کو نہ بڑھاتے، یہاں تک کہ یہ فصلیں تیار ہوکر آپ کے ہاتھوں تک پہنچتی تو خود ایسا کرنے سے عاجز آجاتے۔ اور ایسے ہی اگر اس پانی کا حصول اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسان نہ کر دیتے اور اسے بادلوں سے اتار کر زمین کے چشموں میں نہ چلا دیتے تو آپ کے لیے یہ سب کچھ کرنا ناممکن تھا۔ اس لیے کہ اس کھانے اور پینے پر آپ پر واجب ہوتا ہے کہ اپنے اوپر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو جائے۔

’’جو ایک کھانا کھا کر‘‘ سے مراد یہ ہے کہ صبح و شام جب بھی کوئی تھوڑی بہت چیز کھالے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور کہے: الحمد للہ۔ اس سے مقصود یہ نہیں کہ ہر دانے یا لقمہ پر

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہے۔اس لیے کہ سنت کھانے کے آخر میں ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہنا ہے۔

فوائدِ حدیث:

1. کھانے اور پینے کے بعد ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہنے کا استحباب۔
2. یہ حدیث دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کسی معمولی سبب کی بدولت بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے چھوٹے سے سبب پر بھی راضی ہوجاتے ہیں کہ انسان کھانے سے فراغت کے بعد کہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ))

کھانے اور پینے کے بعد کی دعا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوان اٹھالیا جاتا،تو آپ فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا)) [1]

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، بہت زیادہ پاکیزہ، جس میں برکت ڈالی گئی ہے،ہم اس کے کھانے کا حق پوری طرح ادا نہ کرسکے،اور ہمیشہ کے لیے چھوڑا نہیں گیا اور نہ ہی اس سے بے پرواہی کی گئی ہے، اے ہمارے پروردگار۔''

شــــرح: ......ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ:''جب آپ کھانے سے فارغ ہو جاتے''(تو یہ دعا پڑھا کرتے)۔اور ایک حدیث میں یہ دونوں جملے جمع کیے گئے ہیں کہ: ''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوان اٹھایا لیا جاتا اور آپ کھانے سے فارغ ہوجاتے۔'' (تو یہ دعا پڑھا کرتے۔)

اور ایک روایت میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں:

---

[1] البخاری: ٥١٤٢.

’’مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا کہ میں کھانا کھانے اور دسترخوان اٹھالیے جانے کے بعد یہ کلمات کہوں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا))

سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا))

اورایسے ہی ’’غَیْـرَ مَـکْفِـیٍّ‘‘ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اس کی نعمتوں کو رد کرنے والی نہ ہو۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کفایت سے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوروزی دیتا ہے، اوراس کورد نہیں کرتا۔اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بندوں کی روزی کے لیے کفایت کرسکتا ہے۔اور ابن التین رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں: کسی دوسرے کی طرف حاجت نہ رہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو روزی عطا کرتا ہے، اوران کے لیے کفایت کرجاتا ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’امام قزاز نے کہا ہے: ’’وہ اپنے نفس کے لیے خود پورا ہونے میں کافی نہیں ہے۔(اس لیے اللہ کی بارگاہ میں رجوع کررہا ہے۔)

امام داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:’’اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل اوراس کی نعمتوں سے کفایت نہیں کرسکتا۔‘‘

اور ابن التین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ’’امام خطابی کا معنی زیادہ درست اور لفظ کے قریب تر ہے۔ یہ تمام بحث اس بات پر مبنی ہے کہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر ’’حمد‘‘ کی طرف لوٹتی ہو۔ابراہیم الحربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’یہاں پر ضمیر کا مرجع طعام ہے۔‘‘ ابن جوزی نے ابومنصور جوالیقی سے بیان کیا ہے کہ: ’’یہاں پر درست لفظ ’’مکافأ‘‘ ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استغناء نہیں برتا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ لفظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ثابت ہیں۔لیکن یہاں

پر اس حدیث میں ''غیر مکفی'' کے الفاظ ہی وارد ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک لفظ کا اپنا معنی ہے۔

فوائدِ حدیث:

1. کھانے کے بعد اس ذکر کی مشروعیت۔
2. ہمیشہ کے لیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا۔

کسی کے ہاں افطاری کی دُعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے ؛۔ وہ آپ کے لیے روٹی اور زیتون کا تیل لائے ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ))

''روزہ افطار کیا تمہارے ہاں روزے داروں نے، اور کھانا کھایا تمہارا نیک لوگوں نے اور دعائیں دیں تمہیں فرشتوں نے۔'' [1]

مشکل الفاظ کے معانی :

الْأَبْرَارُ:......نیک اور صالح لوگ

صَلَّتْ عَلَيْكُمُ:......تمہیں دعائیں دیں۔

شرح: أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ:......یہ اللہ کی جانب سے توفیق ملنے کی دعا ہے تا کہ تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں۔ اور یا یہ کہ انہیں خوشخبری دی جاری رہی ہے جو کہ خیر و برکت انہیں حاصل ہوئی۔ یہاں پر یہ جملہ خبریہ خیر و برکت کی دعا کے معنی میں ہے۔

---

[1] صحيح سنن ابي داؤد: ٣٨٥٤.

اس لیے کہ روزہ داروں کی حالت وسعت حالی اور خیر کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔اس لیے کہ جو کوئی اپنے نفس کے سامنے عاجز آجائے وہ دوسروں کے سامنے زیادہ عاجز آنے والا ہوتا ہے۔

أَكَلَ طَعَامَكُمُ الأَبْرَارُ:......"نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا۔"

علامہ مظہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں دعا بھی ہے،اور خبر بھی۔ یہ وصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل طور پر موجود تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نیکوکاروں اور صالحین کے سردار تھے۔

وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ:......یعنی فرشتے آپ کے لیے خیر و برکت اور رحمت کی دعائیں کریں۔ یہ حدیث تین دعاؤں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک اجر و برکت کی (اور خیر کی) موجب ہے:

پہلی دعا: ......جس کے پاس روزہ دار افطار کریں، وہ اس اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے جس کا روزہ افطار کروانے والے کے لیے وعدہ کیا گیا ہے۔

دوسری دعا: ......جس کے دسترخوان پر نیک لوگ کھانا کھائیں،تو اس کے لیے ان لوگوں کے نیک و کار ہونے کی وجہ سے کھانا کھلانے کا پورا پورا اجر ہے۔

تیسری دعا: ......جس کے لیے فرشتے دعائیں کریں وہ انسان کامیاب ہے۔اس لیے کہ ان کے منہ سے نکلنے والی رحمت کی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔

فوائدِ حدیث :

۱۔ جس انسان کے گھر کھانا کھائیں؛ تو مستحب یہ ہے کہ اس کے لیے ان الفاظ میں دعا کریں۔

۲۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ مومن انسان کے لیے فرشتے دعائیں کرتے ہیں۔

۳۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام سے محبت کی دلیل ہے۔

۴۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع وانکساری کی دلیل ہے۔

کھانا پینا طلب کرنے کے وقت کی دعا

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''میں اور میرے دو ساتھی آئے۔اور(شدت بھوک کی)تکلیف کی وجہ سے ہماری قوت سماعت اور قوت بصارت چلی گئی تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر پیش کیا تو اس میں سے کسی نے بھی ہمیں قبول نہیں کیا۔ پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے گھر کی طرف لے گئے۔وہاں پر تین بکریاں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ان بکریوں کا دودھ نکالو۔''

پھر ہم ان کا دودھ نکالتے تھے۔اور ہم میں سے ہر ایک آدمی اپنے حصے کا دودھ پیتا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اٹھا کر رکھ دیتے۔''

راوی کہتے ہیں کہ:''آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تشریف لاتے اور ایسے سلام کرتے کہ سونے والا بیدار نہ ہوتا اور جاگنے والا سن لیتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھتے پھر آپ اپنے دودھ کے پاس آتے اور اسے پیتے۔ایک رات شیطان آیا جبکہ میں اپنے حصے کا دودھ پی چکا تھا۔شیطان کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے پاس آتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفے دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ مل جاتی ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ایک گھونٹ دودھ کی کیا ضرورت ہوگی۔ پھر میں آیا اور میں نے وہ دودھ پی لیا۔ جب وہ دودھ میرے پیٹ میں چلا گیا اور مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ ملنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو شیطان نے مجھے ندامت دلائی اور کہنے لگا: ''تیری خرابی ہو تو نے یہ کیا کیا؟ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا دودھ بھی پی لیا آپ آئیں گے اور وہ دودھ نہیں پائیں گے تو تجھے بددعا دیں گے تو تو ہلاک ہو جائے گا؛ اور تیری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی۔''

میرے پاس ایک چادر تھی جب میں اسے اپنے پاؤں پر ڈالتا تو میرا سر کھل جاتا؛ اور جب میں اسے اپنے سر پر ڈالتا تو میرے پاؤں کھل جاتے ؛اور مجھے نیند بھی نہیں آرہی تھی جبکہ میرے دونوں ساتھی سو رہے تھے۔ انھوں نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے کیا تھا۔ بالآخر نبی ﷺ تشریف لائے اور نماز پڑھی پھر آپ ﷺ اپنے دودھ کی طرف آئے برتن کھولا تو اس میں آپ ﷺ نے کچھ نہ پایا تو آپ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔ میں نے دل میں کہا اب آپ ﷺ میرے لیے بددعا فرمائیں گے پھر میں ہلاک ہو جاؤں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَأَسْقِ مَنْ أَسْقَانِي))

''اے اللہ تو اسے کھلا جو مجھے کھلائے اور تو اسے پلا جو مجھے پلائے۔''

یہ سن کر اپنی چادر مضبوط کر کے باندھ لی پھر میں چھری پکڑ کر بکریوں کی طرف چل پڑا کہ ان بکریوں میں سے جو موٹی بکری ہو رسول اللہ ﷺ کے لیے ذبح کر ڈالوں۔ میں نے دیکھا کہ اس میں ایک تھن دودھ سے بھرا پڑا ہے بلکہ سب بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے پڑے تھے۔ پھر میں نے اس گھر کے برتنوں میں سے وہ برتن لیا کہ جس میں دودھ نہیں دوہا جاتا تھا۔ پھر میں نے اس برتن میں دودھ نکالا یہاں تک کہ دودھ کی جھاگ اوپر تک آ گئی۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم نے رات کو اپنے حصہ کا دودھ پی لیا تھا۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ دودھ پئیں۔ آپ نے وہ دودھ پیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے دیا۔ پھر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ سیر ہو گئے ہیں اور آپ ﷺ کی دعا میں نے لے لی ہے۔ تو میں ہنس پڑا یہاں تک کہ مارے خوشی کے میں زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اے مقداد یہ تیری ایک بری عادت ہے۔''

میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے ساتھ تو اس طرح کا معاملہ ہوا ہے۔ اور میں نے اس طرح کرلیا ہے۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت کا دودھ سوائے اللہ کی رحمت کے اور کچھ نہ تھا۔ تو نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا تاکہ ہم اپنے ساتھیوں کو بھی جگا دیتے؛ وہ بھی اس میں سے دودھ پی لیتے۔''

میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! ''جب آپ ﷺ نے یہ دودھ بھی لیا ہے اور میں نے بھی یہ دودھ پی لیا ہے تو اب مجھے اور کوئی پرواہ نہیں یعنی میں نے اللہ کی رحمت حاصل کرلی ہے تو اب مجھے کیا پرواہ بوجہ خوشی کہ لوگوں میں سے کوئی اور بھی یہ رحمت حاصل کرے یا نہ کرے۔'' [1]

شرح: ......حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو ساتھی اس حالت میں صحابہ کرام کے پاس پہنچے کہ بھوک کی وجہ سے ہماری سماعت و بصارت متاثر ہو چکی تھی۔ ہم نے بطور مہمان خود کو صحابہ کرام کے سامنے پیش کیا تو کسی نے ہماری ضیافت نہیں کی۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس یہ حضرات تشریف لے گئے، وہ خود بھی کسمپرسی کی حالت میں تھے؛ اسی لیے وہ ان لوگوں کی خدمت نہیں کرسکے۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے۔

راوی کا کہنا کہ'' رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تشریف لاتے اور اس طرح سے سلام کرتے کہ سونے والا بیدار نہ ہو،اور بیدار انسان سن لے۔ اس فقرہ میں سلام کرنے کا ادب اور طریقہ کار ہے۔ جب انسان ایسی جگہ پر جائے جہاں کچھ لوگ سو رہے ہوں، یا کوئی آرام کررہا ہو تو پھر اس درمیانہ آواز میں سلام کرے کہ جاگنے والا سن لے، اور سونے والا بیدار نہ ہو۔

''اس گھونٹ کی ضرورت نہیں'' اس سے مراد دودھ کے تھوڑا ہونے کو ظاہر کرنا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

---

[1] مسلم: ٢٠٥٥.

((اَللّٰھُمَّ اُطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ، وَاُسْقِ مَنْ اَسْقَانِیْ))

''اے اللہ تو اسے کھلا جو مجھے کھلائے اور تو اسے پلا جو مجھے پلائے۔''

اس جملہ میں احسان کرنے والے اور خدمت گار اور نیکی و بھلائی کا کام کرنے والے کے لیے دعا ہے۔اس جملہ سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق،حلم بردباری؛ صبر،شرافتِ نفس اور پیاری عادت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ لوگوں کو کس طرح معاف کرتے تھے کہ آپ نے اپنے حصہ کے دودھ کے بارے میں نہیں پوچھا۔

''میں نے دیکھا کہ اس میں ایک تھن دودھ سے بھرا پڑا ہے'' اس جملہ میں نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور آپ کی برکت کے آثار کا بیان ہوا ہے۔

''...... یہاں تک کہ دودھ کی جھاگ اوپر تک آ گئی'' اس سے مراد جانور سے دودھ نکالتے وقت پیدا ہونے والی جھاگ ہے۔

''...... اے مقداد یہ تیری ایک بری عادت ہے'' اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس بات سے بہت خوف زدہ تھے کہ کہیں نبی کریم ﷺ ان پر بددعا نہ کردیں۔ اس لیے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے حصے کا دودھ پی لیا تھا۔ اس فعل سے نبی کریم ﷺ کو ایک طرح سے تکلیف بھی ہوئی تھی۔مگر جب آپ کو نبی کریم ﷺ کے سیر ہوجانے کا پتہ چلا اور یہ کہ دعائے نبوت آپ کے حق میں قبول ہوچکی ہے تو آپ خوش ہوئے اور اس انداز میں شدت کے ساتھ ہنس پڑے کہ زمین پر گر گئے۔اس لیے کہ آپ کا وہ خوف اور اندیشہ ختم ہوگیا تھا کہ نبی کریم ﷺ ان کے لیے بددعا نہ کردیں۔ اور اس کی جگہ نبی کریم ﷺ کی دعا سے حاصل ہونے والی خوشی نے لے لی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے کھلائے جو آپ ﷺ کو کھلائے، اور اسے پلائے جو آپ کو پلائے۔ اور یہ خدمت حضرت مقداد کے ہاتھوں سے انجام پائی۔ اور پھر آپ کے ذریعہ سے نبی کریم ﷺ کا یہ معجزہ بھی ظاہر ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنے فعل کی بری ابتداء اور حسن انجام پر تعجب بھی ہورہا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے مقداد یہ تیری ایک بری عادت ہے''

مراد یہ ہے کہ اے مقداد تو نے ایک نامناسب کام کیا ہے، وہ کام کون سا ہے؟ اس پر حضرت مقداد نے آپ کو اس واقعہ کے بارے میں خبر دی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے کہ بکری کے تھنوں میں بغیر وقت کے اور خلاف عادت دودھ جمع ہو گیا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے۔

فوائدِ حدیث:

1. اس حدیث میں ایسی جگہ پر لوگوں کو سلام کرنے کا ادب بیان ہوا ہے جہاں پر کچھ لوگ سوئے ہوئے ہوں، اور کچھ لوگ جاگ رہے ہوں تو سلام درمیانہ آواز میں کرنا چاہیے۔
2. اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے صبر؛ حلم، بردباری اور پسندیدہ اخلاق کا بیان ہوا ہے کہ آپ لوگوں کو معاف کرنے والے تھے، ان سے اپنے حق کا مطالبہ نہیں فرماتے تھے۔
3. یہ دعا احسان کرنے والے، خدمت گار اور نیکی و بھلائی کا کام کرنے والے کو دی جاتی ہے۔
4. اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے معجزہ کا بیان ہوا ہے۔

جب کسی کے گھر میں نیک مہمان آجائیں تو وہ کیا کہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، ایک دن یا ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا:

''اس وقت تمہارا اپنے گھروں سے نکلنے کا سبب کیا ہے؟''

ان دونوں حضرات نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! بھوک کی وجہ سے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں جس وجہ سے تم دونوں نکلے ہوئے ہو۔ اٹھو کھڑے ہو جاؤ۔''

دونوں حضرات کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ ایک انصاری کے گھر تشریف لائے۔ وہ انصاری اپنے گھر میں نہیں تھے۔ انصاری کی بیوی نے دیکھا تو مرحبا اور خوش آمدید کہا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس انصاری کی بیوی سے فرمایا:

''فلاں کہاں ہے؟''

اس نے عرض کیا:

''وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے۔''

اسی دوران انصاری بھی آ گئے تو اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج میرے مہمانوں سے زیادہ کسی کے مہمان معزز نہیں؛ اور پھر چلے اور کھجوروں کا ایک خوشہ لے کر آئے جس میں کچی اور پکی اور خشک اور تازہ کھجوریں تھیں؛ اور عرض کیا کہ: ''ان میں سے کھائیں۔''

اور خود انہوں نے چھری پکڑی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔''

پھر انہوں نے ایک بکری ذبح کی۔ ان سب نے اس بکری کا گوشت کھایا اور کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ جب کھا پی کر سیراب ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا تمہیں اپنے گھروں سے بھوک نکال کر لائی اور پھر تم واپس نہیں لوٹے یہاں تک کہ یہ نعمت تمہیں مل گئی۔'' [1]

شرح: ......اس حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے دو ساتھیوں کا گھر سے بھوک کی وجہ سے نکلنے اور انصاری کے گھر جانے کا قصہ بیان کر رہے

---

[1] مسلم: ۲۰۳۸.

ہیں۔اس انصاری کی بیوی نے انہیں گھر پر بٹھایا، انصاری خود گھر پر نہیں تھا۔ جب وہ حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی آمد پر بڑا خوش ہوا۔اس انصاری کو ابو ہیثم بن النہیان کہا جاتا تھا، اس کا نام مالک تھا۔

اس حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں۔ان میں سے :

❀ نبی کریم ﷺ اور کبار صحابہ کرام ﷺ کی حالت کا بیان ہے۔آپ کے لیے دنیا کس قدر معدوم تھی۔اور آپ بھوک و تنگی سے کس قدر آزمائے گئے۔ اور بعض اوقات زندگی کتنی تنگ ہوجاتی تھی۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تنگی فتوحات حاصل ہونے سے پہلے تھی۔ یہ ایک بے بنیاد سی بات ہے۔اس لیے کہ اس حدیث کے راوی جناب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن چھ ہجری میں فتح خیبر کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔(اس پر صحیح تحقیق "الدفاع عن ابی هريرة" میں ہے۔) اگر یہ کہا جائے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ قصہ خود ابو ہریرہ کے سامنے پیش آیا ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے دوسرے صحابہ کرام سے سنا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال ظاہر روایت کے خلاف ہے ؛ اور اس طرف دھیان دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بلکہ حق بات اس کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی حالت ہمیشہ کے لیے (دنیاوی معاملہ میں) ایسی ہی رہی ہے۔کبھی آپ کے پاس کچھ تھوڑا بہت میسر ہوتا اور کبھی بالکل کچھ بھی نہ ہوتا۔جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہی ثابت ہے کہ:''رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور آپ نے کبھی ''جو'' کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :''جب سے رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے ہیں، کبھی تین دن تک مسلسل کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے چلے گئے۔''

آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی درع کچھ قرض کے بدلے ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔اس کے علاوہ بھی دیگر قصے بڑے معروف ہیں۔ نبی کریم ﷺ

کے پاس کبھی کبھار کچھ تھوڑا بہت ہوتا، اور کچھ دیر کے بعد وہ بھی ختم ہوجاتا۔ اس لیے کہ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہوا کرتا تھا آپ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اور محتاج لوگوں کی ضرورت پورا کرنے ؛ اور رات گئے آنے والے مہمانوں کی ضیافت کو اپنے نفس پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جہادی لشکر کی تیاری میں بھی خرچ کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دونوں ساتھیوں کا بھی یہی عالم تھا۔ بلکہ اکثر صحابہ کرام اسی مبارک اخلاق سے بہرہ ور تھے۔

مہاجرین وانصار میں سے وسعت دست والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی محبت وعزت واکرام اور آپ کی ضرورتوں کا خیال رکھنے اور آپ کے لیے تحفے تحائف بھیجتے رہنے کے باوجود بعض اوقات آپ کی حاجات کے متعلق ادراک نہ کرسکتے تھے۔ اور بسا اوقات آپ کی ضروریات کا علم آپ کے ایثار کی وجہ سے بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر کسی صحابی کو علم تو ہوجاتا مگر وہ خود بھی تنگ دست ہوتا،اس لیے وہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی ضرورت پوری کرنے میں معذور ہوتا۔ جیسا کہ اس واقعہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہوا ہے۔ بہر حال کسی بھی صحابی کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اسے نبی کریم ﷺ کی ضرورت کے بارے میں خبر ہوئی ہو، وہ اس ضرورت کے پورا کرنے پر قادر بھی ہو،اور پھر وہ اس سے پیچھے رہ جائے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ خود اپنے صحابہ سے اپنی ضرورت کو چھپایا کرتے تھے تاکہ آپ خود مشقت برداشت کرلیں اور اپنے ساتھیوں پر بوجھ نہ بنیں۔ جیسا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے قصہ سے ظاہر ہے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز مبارک سنی تو اس میں بھوک کے آثار کو محسوس کیا۔ اور آپ جلدی سے اس کے حل کی طرف چل پڑے۔ صحابہ کرام تو آپس میں ایک دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے کسی ساتھی کی ضرورت کے متعلق علم ہوجاتا تو اس کو پورا کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی یہ صفت بیان کی ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر : ٩)

''اپنی ذات پر بھی مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان کو تنگی ہی کیوں نہ ہو۔''

نیز اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (فتح : ٢٩)

''وہ آپس میں بڑے ہی رحمدل ہیں۔''

رہا حضرات ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ ''ہم بھوک کی وجہ سے گھر سے نکلے ہیں'' اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا: ''میں بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں، جس وجہ سے تم دونوں نکلے ہو۔'' اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کی اطاعت مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ ان لوگوں کو اتنی سخت بھوک لگی جس نے انہیں پریشان و بے چین کر دیا، اور عبادت میں ان کی وہ چستی اور لطف اندوزی باقی نہ رہی، اسی وجہ سے انہیں گھر سے نکلنا پڑا تا کہ اس بھوک کا ازالہ کر سکیں۔ یہ اطاعت خداوندی کا کمال اور مراقبۂ نفس کا عروج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''مجھے بھی اسی چیز نے گھر سے نکالا ہے جس نے......'' اس جملہ میں انسان کے لیے اپنی پریشانی اور دکھ والم بیان کرنے کا جواز ہے۔ جو کہ بطور شکوہ یا عدم رضامندی کے نہیں، بلکہ برائے تسلی وصبر کے ہے۔ جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یا پھر دعا کی تلاش میں یا اس کے ازالہ کے لیے اسباب کے حصول پر تعاون حاصل کرنے کے لیے۔ ایسا کرنا مذموم نہیں ہے۔ بلکہ مذموم وہ فعل ہے جس میں شکوہ و شکایت، عدمِ رضامندی اور گریہ وزاری ہو۔

راوی کا کہنا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے......'' اس صحابی کو ابو ہیثم کہا جاتا تھا، اور مالک اس کا نام تھا۔ اس حدیث میں اس صحابی کی منقبت اور شرف کا بیان ہے کہ آپ نے اسے یہ شرف بخشا کہ اپنی ضیافت کے قابل سمجھا، اور اس کے گھر تشریف لے گئے۔

❀ ''انصاری کی بیوی نے دیکھا تو مرحبا اور خوش آمدید کہا......'' "اھلًا وسھلًا و مرحبا" عربی زبان کے الفاظ ہیں جو کہ مہمان آنے کی خوشی میں بطور فرحت وسرور اور عزت و اکرام کے بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت واحترام کرے۔'' اس جملہ میں عورت کے لیے کسی اجنبی کا کلام سننے اور بوقت ضرورت اس سے بات چیت کرنے کا جواز ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی عورت کے لیے اس بات کا جواز بھی ہے کہ جس انسان کا گھر میں داخل ہونا شوہر کو ناپسندیدہ نہ ہو، اسے اپنے گھر میں جانے کی اجازت دے۔ مگر ان کے ساتھ ایسے تنہائی میں نہ بیٹھے جسے شریعت نے حرام کیا ہو۔

''میرے مہمانوں سے زیادہ کسی کے مہمان معزز نہیں'' اس جملے میں کئی فوائد ہیں:

❀ ظاہری نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا۔ اور ایسے ہی متوقع طور پر کسی پیش آنے والی پریشانی کے ختم ہونے پر اور دیگر احوال میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیے۔

❀ مہمان کے سامنے اس کی آمد پر خوشی اور فرحت و انبساط اور سرور کا اظہار۔ اور مہمان کے منہ پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا بیان۔

❀ اگر مہمان کے متعلق کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی تعریف وتوصیف بیان کرنے کا جواز۔ اگر اس کا خوف یا اندیشہ ہو تو پھر مہمان کے منہ پر اس کی تعریف نہ کرے۔

❀ اس حدیث میں اس انصاری کی فضیلت ہے؛ اور اس کی فصاحت وبلاغت کا بیان ہے کہ اس نے انتہائی مختصر اور خوبصورت الفاظ میں فی البدیہہ نبی کریم ﷺ کی تعریف کی۔

❀ ''کھجوروں کا ایک خوشہ لے کر آئے جس میں کچی اور پکی اور خشک اور تازہ کھجوریں تھیں'' صحابی اس قسم کی مختلف کھجوروں والا خوشہ اس لیے لے کر آئے تا کہ نبی کریم ﷺ

مختلف قسم کی کھجوروں سے لطف اندوز ہوں۔ اوراس لیے بھی کہ بعض کی ایک قسم کی کھجوریں اچھی لگتی ہیں اور بعض کو دوسری قسم کی کھجوریں۔

❀ اس حدیث میں کھانے پینے سے پہلے پھل پیش کرنے کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔

❀ اس حدیث میں جو کچھ بھی گھر میں میسر ہو، مہمان کے لیے پیش کرنے کے مستحب ہونے کا بیان ہے۔ اوراس کے بعد مہمان کے لیے بطور اکرام کھانا تیار کرے۔ اور خاص طور پر جب میزبان کا غالب گمان ہو کہ مہمان کو کھانے کی ضرورت ہے۔ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بسا اوقات مہمان کو ضرورت ہو کہ اسے فوری طور پر کھانا پیش کیا جائے، اوروہ مزید بھوک پر صبر نہ کرسکتا ہو۔اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جلدی کی وجہ سے کھانا تیار ہونے کا انتظار نہ کرسکتا ہو۔ سلف صالحین کی ایک جماعت نے مہمان کے لیے تکلف کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ان کا یہ قول میزبان کی ظاہری مشقت پر محمول ہے۔اس لیے کہ تکلف مہمان کے ساتھ کمال اخلاص اور سرور کے ساتھ پیش آنے کی راہ میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میزبان سے کوئی ایسی چیز صادر ہوجائے جو کہ مہمان کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میزبان کوئی چیز پیش کرے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ میزبان اس وجہ سے مشقت اور تکلف برداشت کررہا ہے، اوراس مشقت پر شفقت کی وجہ سے بھی مہمان کو تکلیف ہوسکتی ہے۔ یہ تمام امور اس حدیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہیں: ''جو کوئی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔'' اس لیے کہ مہمان کا کامل اکرام وعزت یہ ہے کہ اس کی طبیعت کا خیال رکھا جائے۔ اور اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ جو کچھ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کیا وہ اس پر مشقت نہیں تھی۔ بلکہ اگر وہ کئی بکریاں اور اونٹ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی ضیافت کے لیے ذبح کردیتا تو پھر بھی وہ اس پر خوش ہی رہتا۔ واللہ اعلم۔

❀ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا: ''تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا......'' اس

حدیث میں سیر ہو کر کھانے کے جواز کی دلیل ہے۔ وہ روایات جن میں سیر ہو کر کھانے کے مکروہ ہونے کا بیان ہے، وہ باقاعدگی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے سیر ہو کر کھانے سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور غریبوں ومحتاجوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔ اس جملہ میں سوال سے مراد یہ ہے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہاں پر سوال سے مراد ان نعمتوں کا شمار کرنا اور ان کا احسان جتلانا ہے۔ اور نعمتوں کی وجہ سے کرامت کا اظہار ہے۔ توبیخ سرزنش اور محاسبہ مقصود نہیں۔

فوائدِ حدیث:

(۱) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس دنیا کے کم ہونے، اور بھوک و پیاس تنگدستی کی آزمائشوں کا بیان ہے۔

(۲) اس حدیث میں انسان کے لیے پیش آمدہ پریشانیوں اور مصائب کے ذکر کرنے کے جواز کا بیان ہے۔ جو کہ بطور شکوہ نہیں بلکہ صبر دلانے اور تسلی دینے کے لیے ہونا چاہیے۔

(۳) اس حدیث میں عورت کے لیے کسی اجنبی کا کلام سننے اور بوقت ضرورت اس سے بات چیت کرنے کا جواز ہے۔

(۴) اس حدیث میں ظاہری نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے اور ایسے ہی متوقع طور پر کسی پیش آنے والی پریشانی کے ختم ہونے پر اور دیگر احوال میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے مستحب ہونے کا بیان ہے۔

(۵) اس حدیث میں اس امر کے مستحب ہونے کا بیان ہے کہ اگر مہمان کے متعلق کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی تعریف وتوصیف بیان کرے۔ اور اگر اس کا خوف یا اندیشہ ہو تو پھر مہمان کے منہ پر اس کی تعریف نہ کرے۔

(۶) اس حدیث میں اس انصاری کی فضیلت ہے کہ اس نے انتہائی مختصر اور خوبصورت الفاظ میں فی البدیہہ نبی کریم ﷺ کی تعریف کی۔

روزہ افطار کرنے کی دُعائیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ افطار کرتے تو یہ دعا کیا کرتے تھے:

((ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ))

''چلی گئی پیاس اور تر ہوگئیں رگیں اور ثابت ہوگیا اجر ان شاء اللہ۔'' [1]

شرح: ...... ''جب رسول اللہ ﷺ افطار کرتے ......'' اس کا مقصود یہ ہے کہ افطار کرنے کے بعد۔ ''ثابت ہوگیا اجر......'' یعنی پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں؛ تھکاوٹ ختم ہوگئی اور ثواب حاصل ہوگیا۔ اس جملہ میں عبادات بجالانے کی ترغیب ہے، اس لیے کہ تھکاوٹ اور تنگی ختم ہونے والی چیزیں ہیں۔ جب کہ اجروثواب اپنے ثبات اور بقا کی وجہ سے بہت زیادہ اور باقی رہنے والا ہوتا ہے۔ اس جملے کے آخر میں ''ان شاء اللہ'' بطور تبرک کے کہا گیا ہے۔ اور اس لفظ ''ان شاء اللہ'' کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق کرنا بھی درست ہے۔ اس لیے کہ عمل کرنے والا عمل تو کرتا ہے، مگر اس کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس پر کسی قسم کی کوئی سختی یا جبر نہیں کہ وہ ہر حال میں عمل قبول کرے۔ اس جملہ میں معتزلہ پر رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے عمل قبول کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

فوائدِ حدیث:

١. افطار کے بعد ان الفاظ میں دعا کرنے کے مستحب ہونے کا بیان۔
٢. انسان کو ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں ملتجی اور عرض گزار رہنا چاہیے۔
٣. ہر نیک عمل کے بعد اللہ تعالیٰ سے اجروثواب کی امید رکھنی چاہیے۔

---

[1] ابو داؤد: ٢٣٥٧.

گھر سے متعلق دعائیں

گھر سے نکلنے کی دعا کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان گھر سے نکلتے ہوئے یہ کلمات کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ))

''اللہ ہی کے نام کے ساتھ میں نے بھروسہ کیا اللہ پر، اور گناہ سے بچنے کی ہمت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت، مگر اللہ ہی کی توفیق سے۔''

اس سے کہا جاتا ہے: ''تو کفایت کر دیا گیا، اور تمہیں بچا لیا گیا، اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔'' [1]

شرح: ......اس حدیث میں محلِ شاہد **بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ** کے الفاظ ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ جب بھی گھر سے باہر نکلے وہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اس ذکر میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کی پناہ میں آنا ہے۔ اس لیے کہ انسان جب بھی گھر سے نکلتا ہے تو اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ وہ کسی پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرے۔ یا کوئی درندہ: سانپ، بچھو، یا اس طرح کا کوئی دیگر موذی جانور وغیرہ سے اس کا واسطہ پڑے۔ پس انسان کو کہنا چاہیے: ''میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں،

[1] أخرجه الترمذي و صححه الألباني في صحيح سنن الترمذي : ٣٤٢٦.

اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں۔‘‘ جب انسان یہ کلمات کہہ لیتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: ’’تمہیں ہدایت دی گئی، اور تمہیں شر سے بچا لیا گیا‘‘ اور شیطان کو اس انسان سے دور کر دیا جاتا ہے۔ مسلمان کا وہ دن کتنا ہی اچھا گزرے گا جس میں شیطان کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اور وہ راہ ہدایت پر دن گزارے، اور اس کے تمام کام کفایت کر دیے گئے ہوں، اور اسے ہر قسم کے شر اور دشمن سے بچا لیا گیا ہو۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی پناہ میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں، اس کی رہنمائی کرتے ہیں، اور اس کے دینی و دنیاوی کاموں میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کارساز کافی ہو جاتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اس کلام میں بہترین جمع و ترتیب ہے۔ وہ اس طرح سے کہ‘‘، اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے تبرک سے اسے ہدایت دی گئی۔ اور توکل کی وجہ سے اس کے معاملات میں کفایت کر دی گئی۔ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہنے کی وجہ سے اسے ہر قسم کے شر سے بچا لیا گیا۔‘‘

یہ اس حدیث کی بہترین توجیہ ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے مبارک نام سے مدد طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں، کامیاب کرتے ہیں، رہنمائی فرماتے ہیں، اور اس کے دینی اور دنیاوی امور میں اس کی مدد فرماتے ہیں۔ اور جب انسان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: ۳)

’’اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو اس کو اللہ کافی ہو جاتا ہے۔‘‘

جو کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہے، اللہ تعالیٰ اسے شیطان کے شر سے بچا لیتے ہیں، اور شیطان کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیتے۔ پس اس لیے شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ شیطان (اپنے آپ سے) کہتا ہے: ’’اس

انسان پر تیرا بس کس طرح چل سکتا ہے جسے ہدایت دی گئی ہو، اور شر سے بچالیا گیا ہو۔'' [1]

فوائدِ حدیث:

۱ شیطان کے لیے اولادِ آدم میں ایک حصہ مقرر ہے۔

۲ جو کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کہہ دے؛ اللہ تعالیٰ اسے شیطان کے شر سے بچا لیتے ہیں، اور شیطان کو اس پر مسلط نہیں کرتے۔

۳ اپنے ہر ایک کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہنا چاہیے۔

۴ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے اور اس کا ذکر کرنے کی ضرورت۔

گھر سے نکلتے وقت کی دُعا

سیّدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نہیں نکلے، مگر آپ آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ)) [2]

''اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں (اس بات سے) کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا مجھے گمراہ کر دیا جائے، میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے، میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، میں کسی سے جہالت سے پیش آؤں یا میرے ساتھ جہالت سے پیش آیا جائے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

أَزِلَّ: ......پھسل جاؤں، خطا کروں۔

أَجْهَلَ: ......میں جہالت سے پیش آؤں۔ یعنی بیوقوفی یا حماقت والا کام کروں۔

---

[1] مشکوٰۃ: ۸/۴۱۸. [2] صحيح سنن ابي داؤد: ۵۰۹۴.

شرح : ...... یہ ایسے دعائیہ الفاظ ہیں جو انسان کو گھر سے نکلتے ہوئے کہنے چاہئیں۔ اس لیے کہ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء اور اس کی پناہ میں آنا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ خود یہ دعا کیا کرتے تھے۔ یہ دعا چار جملوں پر مشتمل ہے۔ پہلا جملہ :

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ)) یعنی انسان خود گمراہ ہو یا کسی دوسرے کو گمراہ کرنے کا سبب بن جائے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے کہ ''اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں (اس بات سے) کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا میری وجہ سے کوئی دوسرا گمراہ ہو جائے۔''

دوسرا جملہ: ((اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ)) ''میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے'' یہ جملہ بھی پہلے جملہ کی طرح ہے کہ میں خود [راہِ حق سے] پھسل جاؤں، یا کسی دوسرے کو پھسلانے کا سبب بن جاؤں، یا کوئی دوسرا مجھے پھسلا دے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ انسان خطا سے محفوظ رہے، خواہ وہ خطا عمداً ہو یا سہواً۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ بابرکت ذات اس کو خطا سے محفوظ رکھے۔

تیسرا جملہ: ((اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ)) ''میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔'' میں کسی دوسرے پر ظلم کروں یا کوئی دوسرا مجھ پر ظلم کرے۔

چوتھا جملہ: ((اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ)) ''میں کسی سے جہالت سے پیش آؤں یا میرے ساتھ جہالت سے پیش آیا جائے۔'' یعنی اس سے کوئی جاہل لوگوں کے افعال جیسا فعل صادر ہو، یا میں کسی دوسرے کے ساتھ جہالت وحماقت کی کوئی حرکت کروں۔

یہ دعا رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلنے کی دعاؤں میں سے ہے۔ آپ ﷺ یہ عظیم دعا کیا کرتے تھے جس میں ہر قسم کی گمراہی، بے راہ روی؛ ظلم اور جہالت سے پناہ کی طلب ہے۔ اس دعا کے پڑھتے وقت آسمان کی طرف منہ اُٹھانا بھی مشروع ہے۔ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسے ہی کریں جیسے رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔

فوائدِ حدیث:

١ اس حدیث میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کا بیان ہوا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ آسمانوں میں مخلوق سے بلند و بالا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل بدعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر موجود ہے۔

٢ لوگوں پر ظلم کرنے کی ممانعت۔

٣ لوگوں کے ساتھ حماقت کرنے یا انہیں احمق بنانے کی ممانعت۔

٤ خطا کے واقع ہونے پر تنبیہ و آگاہی۔

٥ ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی طلب۔

٦ خود گمراہی میں واقع ہونے یا دوسرے کے لیے گمراہی کا سبب بننے کا خوف۔

گھر میں داخل ہونے کی دعا (کی فضیلت)

جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں:

''جب آدمی اپنے گھر داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ آج تمہارے لیے اس گھر میں رات گزارنے کی جگہ نہ ملی اور جب کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ رات گزارنے کی جگہ اور شام کا کھانا مل گیا۔'' [1]

شرح: ...... جب انسان گھر میں داخل ہو، اور داخلہ کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے، اور ایسے ہی کھانا کھانے سے قبل اللہ تعالیٰ کا نام لے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: ''تمہارے لیے نہ ہی رات کا کھانا ہے اور نہ ہی رات کا ٹھکانہ۔'' اس لیے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ کہتا ہے، اور ایسے ہی کھانا کھانے

---

[1] مسلم: ٢٠١٨.

سے قبل بِسۡمِ اللّٰهِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گھر اور کھانے کو شیطان سے محفوظ کر دیتے ہیں۔ اور جب انسان گھر میں داخل ہو اور اللہ کا نام نہ لے، اور نہ ہی کھانا شروع کرنے سے قبل اللہ کا نام لے، تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ: ''تمہیں شام کا کھانا بھی مل گیا اور رات گزارنے کے لیے جگہ بھی مل گئی۔ اس لیے کہ اس انسان کے کھانے اور گھر کو اللہ کا نام نہ لینے کی وجہ سے شیطان سے محفوظ نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں ترغیب ہے کہ انسان گھر میں داخل ہوتے وقت بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھا کرے، اور ایسے ہی کھانا شروع کرنے سے قبل بِسۡمِ اللّٰهِ پڑھ لیا کرے۔ ایسا کرنے سے انسان کی رات گزاری میں اور کھانے میں شیطان سے بچا لیا جاتا ہے۔

فوائدِ حدیث:

۱ گھر میں داخل ہونے اور کھانا شروع کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی ترغیب۔

۲ اللہ تعالیٰ کا نام لینا شیطان اور اس کے ساتھیوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

وضو سے متعلقہ دعائیں

وضو سے پہلے کی دُعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس انسان کا وضو نہیں جو کہ وضو کرتے ہوئے **بِسْمِ اللّٰهِ** نہیں کہتا۔'' [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے وضو کا پانی طلب کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم لوگوں میں سے کسی شخص کے پاس پانی موجود ہے؟'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پانی میں رکھا اور فرمایا:

''...... **بِسْمِ اللّٰهِ** ''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں'' کہہ کر وضو کرو۔'' [2]

شرح: ......حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس انسان کا کوئی وضو نہیں جو کہ **بِسْمِ اللّٰهِ** نہ کہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ وضو ایک محسوس فعل ہے، ایک انسان اپنے ہاتھ، پاؤں اور منہ دھوتا ہے، اپنے سر کا مسح کرتا ہے؛ دونوں بازؤں کو کہنیوں تک دھوتا ہے۔ تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کوئی وضو نہیں؟ تو اس کا جواب یہاں پر وضو نہ ہونے کا حکم ظاہری اعضاء دھونے کے

---

[1] الارواء: ۱/۱۲۲.　　[2] نسائی ۷۸.

☆ صحابی کہتے ہیں: ''میں نے یہ منظر دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا یہاں تک کہ تمام لوگوں نے وضو کیا اور کوئی شخص وضو سے باقی نہ بچا۔ ثابت نے کہا، جنہوں نے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے، انس سے پوچھا کہ آپ کی رائے میں مجموعی اعتبار سے کل کتنے حضرات موجود تھے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: ''تقریباً ستر حضرات تھے'' فائدہ کے لیے میں نے پوری حدیث درج کردی ہے۔ [مترجم]

متعلق نہیں، بلکہ شرعی لحاظ سے معتبر ہونے کے متعلق ہے۔یعنی ایسے انسان کا وضو صحیح نہیں، یا اس نے کامل وضو نہیں کیا جس نے بِسۡمِ اللّٰهِ نہیں کہی۔

جب وضو صحیح نہیں ہے، تو اس وضو کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔اور صحیح نہ ہونا ایسے ہی جیسے کہ بالکل معدوم ہونا۔اسے بالکل معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔یہیں سے علماء کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔پس اس وجہ سے جو کوئی وضو کے شروع میں بِسۡمِ اللّٰهِ نہ کہے، ہم اس کے وضو کے باطل ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے۔اور اس کے ساتھ ہی کسی کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ بِسۡمِ اللّٰهِ کہنا ترک کردے خواہ اس کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث ہی کیوں نہ ہو۔اس لیے کہ اس سے مقصود اس کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔اور اس کی تائید اس دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:'' ہر وہ بڑا کام جس کے شروع میں اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ برکت سے خالی ہوتا ہے۔'' پس اس لیے ہم وضو کو برکت سے خالی اور کٹا ہوا نہیں بنا سکتے۔بلکہ ہم اس پر اللہ کا نام لیں گے۔تاکہ ہمارا وضو پورا ہوجائے، وللّٰه الحمد.''

اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو انسان جان بوجھ کر بِسۡمِ اللّٰهِ کہنا ترک کردے، وہ دوبارہ وضو کرے گا، اور جو کوئی تاویل کی وجہ سے بھول کر بِسۡمِ اللّٰهِ نہ کہے اس کے لیے یہ وضو کافی ہوجائے گا۔''

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''حجة اللّٰه البالغة'' میں فرماتے ہیں:

''یہ حدیث دلیل ہے کہ بِسۡمِ اللّٰهِ کہنا یا تو وضو کا رکن ہے، یا شرط۔اور یہ

بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ [بِسْمِ اللّٰہِ کے بغیر] کامل وضو نہیں ہوتا۔لیکن میں ایسی تاویلوں پر راضی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ ایسی دور کی تاویل ہے جس کا اصل لفظ سے کوئی تعلق نہیں۔''

میں کہتا ہوں:'' بے شک اس حدیث میں دلیل ہے کہ بسم اللہ کہنا یا تو وضو کا رکن ہے، یا شرط۔اس لیے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ'' اس کا کوئی وضو نہیں ہوتا'' دلالت کرتے ہیں کہ اس کا وضوء صحیح نہیں ہوتا، یا سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ جب کسی چیز کی نفی کی جاتی ہے تو اصل میں اس کی حقیقت کی نفی ہوتی ہے۔جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے المرقاۃ میں لکھا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' یہ صیغہ حقیقت میں کسی چیز کی نفی کے لیے آتا ہے۔اور مجازاً کسی چیز کے درست نہ ہونے کی وجہ سے اس کے معتبر ہونے کی نفی کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:((لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد)) ......'' مسجد کے پڑوسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی،سوائے مسجد کے۔''اس حدیث میں نفی کمال پر محمول ہے، اہل ظاہر کے برعکس (جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اصل نماز کی نفی ہے۔) اس لیے کہ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: ''جس انسان نے وضو کیا اور بِسْمِ اللّٰہِ کہی، اس کے لیے یہ وضو پورے بدن کی طہارت ہے۔اور جس نے وضو کیا اور بِسْمِ اللّٰہِ نہ کہی؛ اس کے لیے صرف ان اعضاء کی طہارت ہے جنہیں اس نے دھویا ہے۔''

اس پیرائے میں طہارت سے مراد گناہوں سے پاکیزگی و طہارت ہے۔ اس لیے کہ بے وضو ہونا ایسی چیز ہے جس کے حصے نہیں کیے جاسکتے۔ [1]

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ کا بیان ہوا ہے۔ جب پانی کم پڑ گیا، اور صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے لیے پانی کی شکایت کی تو آپ نے

[1] تحفة الأحوذي: ١/١٩٣.

ان سے کچھ پانی مانگا، اور پھر اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ اور پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے لگا۔ اور اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر وضو کرو۔

فوائدِ حدیث:

١. بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر وضو کرنا چاہیے۔
٢. ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔
٣. ہر وہ کام جس کے شروع میں اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ برکت سے خالی ہوتا ہے۔
٤. نبی کریم ﷺ کے معجزات کی معرفت کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔
٥. اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے معجزات کے ساتھ تائید و مدد۔
٦. ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

وضو کے بعد کی دُعائیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس انسان نے اچھی طرح وضو کیا، اور پھر یہ کلمات کہے:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی (سچا) معبود نہیں سوائے اللہ کے وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

''اے اللہ! مجھے شامل کر دے بہت توبہ کرنے والوں میں اور شامل کر دے مجھے

پاکیزہ اور صاف ستھرے رہنے والوں میں۔''
اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔''[1]

شرح: ...... یہ حدیث وضو اور اس کے بعد پڑھے جانے والی دعا کی فضیلت میں بیان ہوئی ہے۔ وضو کرنے کے بعد یہ مذکورہ بالا دعا پڑھنی مسنون و مستحب ہے۔

یہ دعا توحید کی اساس اور اسلام کا بنیادی قاعدہ ہے۔ اس لیے کہ اس نے یہ کام اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کیا ہے۔ اس لیے کہ جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا ہے یہ ایک تعبدی فعل ہے۔ اس میں عقل یا علت کو کوئی دخل حاصل نہیں۔ بلکہ مسلمان یہ کام صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کرتا ہے۔

انسان سے ہوا نکلتی ہے تو وہ وضو کرتا ہے۔ مگر اس جگہ کو نہیں دھوتا جہاں سے ہوا نکلی ہے جو کہ وضو کرنے کا سبب بنی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس دور کے اعضاء دھوئے جاتے ہیں جن کا اصل میں ہوا کے نکلنے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس میں کوئی علت کہاں پر پائی جاتی ہے؟ بلکہ یہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جاتا ہے۔

بس یہیں سے مسلمان وضو کرنے کے بعد اس شہادت کا اعلان کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ کام محض عبادت ہے (جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے) اس کا کسی علت یا سبب سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا کہ انسان کہتا ہے: ''اے ہمارے پروردگار! بے شک تو ہی اکیلا معبود برحق ہے۔ تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس کی پیروی کی۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تیرے نبی محمد ﷺ نے ہمیں تبلیغ کی، ہم نے ان کی بات سنی اور ان کی اطاعت کی۔ بس اس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی صداقت و حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان کے لے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

پھر شہادتین کے اقرار کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کہیں:

---

[1] مسلم: ٢٣٤.

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ))

اس جملے میں ان دونوں چیزوں کو جمع کیا گیا ہے جو اللہ کو پسند ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲۲۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں ؛ اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔''

جب توبہ میں باطنی طور پر گناہوں سے طہارت تھی؛ اور وضواس ظاہری ناپاکی سے طہارت ہے جو کہ تقرب الی اللہ میں مانع ہوتی ہے تو یہاں پر مناسب تھا کہ ان دونوں چیزوں کو جمع کیا جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ سے انتہائی مناسب انداز میں سوال کیا جارہا ہے تاکہ انسان کے محبوب ترین لوگوں کے زمرہ میں شامل ہوجائے۔

﴿تَوَّابٌ﴾:......''توبہ کرنے والا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا، اور اس کی نافرمانی کے کام چھوڑ کر اس کی اطاعت کے کام اختیار کرنے والا۔ یعنی جب کسی انسان سے گناہ ہوجائے تو وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرتا ہے، اور اس کے عذاب کو ذہن میں لاتا ہے۔ تو اس سے معافی مانگتا ہے اور کہتا ہے: ''اے اللہ! مجھے معاف کردے۔'' اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ایسے ہی جب کسی واجب کو ترک کرتا ہے، اور پھر اسے وہ واجب یاد آجاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتا ہے، اور کہتا ہے: ''میں اس واجب سے کتنا دور ہوں۔ پھر اس واجب کو یا تو ادا کرتا ہے یا پھر اگر اس کا وقت ختم ہوگیا ہو تو اس کی قضا کرتا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی عبادت کرتا ہے وہ اس کی محبت اور تعظیم سے ہوتی ہے۔

وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ: ......''اور مجھے پاک رہنے والے لوگوں میں سے بنادے۔'' یعنی وہ لوگ جو ظاہری طور پر حسی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ اس میں دو چیزیں ہیں:

⌘ احداث (ناپاکی) کا خاتمہ

۲ نجاست اور گندگی سے پاکیزگی و نظافت

پس طہارت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں یا تو ناپاکی کا خاتمہ ہوتا ہے یا پھر گندگی سے نظافت حاصل کی جاتی ہے۔ پس (جب آپ یہ دعا پڑھتے ہیں تو) آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپ کو ان پاکیزہ لوگوں میں سے بنادے جو ان دونوں طہارتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی معنوی طہارت کا بھی سوال کرتے ہیں۔ معنوی طہارت سے مراد یہ ہے کہ انسان کا دل شرک اور شکوک وشبہات ؛ نفاق ؛ مسلمانوں کے خلاف حسد و بغض اور کینہ پروری؛ اور حق کی ناپسندیدگی؛ باطل کی محبت، اور ان جیسی دوسری ان تمام چیزوں سے پاک ہو جن سے انسان کے دل کا پاک ہونا ضروری ہے۔ دل کی طہارت کا ہونا بدن کی طہارت سے بھی بڑی اور بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ اسی پر اصل میں سارا دارو مدار ہے۔ اور اگر دل پاک نہ ہو تو سارا جسم ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (الأنعام ۴۱)

''یہی لوگ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا وہ دنیا میں ذلیل ہوں گے اور آخرت میں ان کو بڑی مار پڑے گی۔''

یہ ایک انتہائی مناسب ذکر اور دعا ہے۔ اس لیے کہ جب انسان وضو کر کے اپنے ظاہر کو پاک کرتا ہے تو مناسب تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے باطن کی طہارت اور صفائی کا بھی سوال کرے۔ بلکہ یہ بات بہت ہی مناسب تھی کہ وہ اپنے اندر کو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور رسول اللہ ﷺ کے لیے شہادتِ حق کے ساتھ پاک کرے۔ پس جب انسان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر یہ دعا کرے، اور مذکورہ بالا ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، تو ایسے انسان کے لیے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ حالانکہ جنت کے ہر دروازے سے داخل ہونے والے مخصوص لوگ ہیں، مگر جو ان کلمات کے ساتھ دعا کرتا ہو، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

فوائدِ حدیث:

① وضو کی فضیلت، اور وضو کے بعد دعا کرنے کی فضیلت ۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

② بدن کی ظاہری طہارت، جس کے لیے اسلام بڑا حریص ہے۔

③ شک وشرک، حسد وبغض ؛ کینہ وعداوت سے دل کی طہارت و پاکیزگی۔

④ ہمیشہ کے لیے توبہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہنا۔

⑤ وضو اور اس کے بعد مذکورہ دعا کی فضیلت کہ ایسے انسان کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

وضو کے بعد دعا کرنے کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے وضو کیا اور پھر یہ کلمات کہے:

((سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ))

''پاک ہے تو اے اللہ ! اپنی تعریفوں کے ساتھ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''

''اس کا نام ایک صحیفہ میں لکھ دیا جاتا ہے، اور پھر اس پر ایک مہر لگا دی جاتی ہے۔ یہ مہر قیامت تک چاک نہیں ہو پاتی۔'' [1]

شرح: ......اس حدیث مبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے وضو کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ اور ان دعاؤں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں جو کہ وضو کے بعد کی جاتی ہیں۔تا کہ ہم ان اذکار کی حرص کریں۔ اس لیے کہ اللہ کے ہاں ان کلمات کی بہت بڑی

---

[1] السلسلة الصحيحة: ٢٣٣٣.

فضیلت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ اپنی امت کو خیر کی ہر بات بتانے کے لیے بڑے حریص ہیں۔آپ ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ ہم صرف ایک اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے کی گواہی دیں، اور وضو کے بعد اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں۔ اور پھر آپ ﷺ ہمیں ان عظیم الشان دعاؤں کی فضیلت بتاتے ہیں کہ ان کلمات کے ساتھ دعا کرنے والے کا نام ایک صحیفہ میں لکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے جو کہ قیامت تک چاک نہیں ہو سکے گی۔ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے اگر ہم اس کو پانے کی حرص کریں۔

فوائدِ حدیث :

۱ وضو کے بعد ذکر واستغفار کی بہت بڑی فضیلت۔
۲ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی محبت۔
۳ اللہ کی بارگاہ میں محبت کی فضیلت واہمیت۔

مسجد اور اذان سے متعلق دُعائیں

مسجد کی طرف جانے کی دُعا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو رہے تھے؛ آپ بیدار ہوئے ......اور پھر پوری حدیث بیان کی؛ یہاں تک کہ فرمایا...... : پس مؤذن نے اذان دی تو آپ نماز کے لیے نکلے، آپ یہ دعا کر رہے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ مِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا)) [1]

''اے اللہ! بھر دے میرے دل کو نور سے اور میری زبان کو بھی نور سے۔ میرے کانوں میں بھی نور اور میری آنکھوں میں بھی نور، میرے آگے بھی نور اور میرے پیچھے بھی نور اور پیدا فرما دے میرے اوپر بھی نور؛ اور میرے نیچے بھی نور، اے اللہ مجھے نور عطا کر دے۔''

شرح: ......''اے اللہ! بھر دے میرے دل کو نور سے''......علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

---

[1] بخاری: ٦٣١٦ ـ مسلم: ٧٦٣.

ہیں: ''اس سے مراد بہت بڑا نور ہے۔ اور دل کو باقی اعضاء سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ دل (جسم کا) ایک ایسا حصہ ہے اگر دل صحیح ہوجائے تو سارا بدن صحیح ہوجاتا ہے اور اگر دل خراب ہوجائے تو سارا بدن خراب ہوجاتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اگر دل کا نور بہہ پڑے تو اس سے سارا جسم نورانی ہوجاتا ہے۔ جس سے لازم طور پر ھدایت ملنے کی وجہ سے باقی اعضاء روشن ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ نور گناہ کے اندھیروں کو چاک کردیتا ہے؛ اور خطاؤں کو ختم کردیتا ہے۔

یہ نور جس کے لیے دعا کی جارہی ہے اس حسی نور کو بھی شامل ہے جو قیامت والے دن حاصل ہوگا۔ اور اس معنوی نور کو بھی شامل ہے جو کہ اس دنیا میں حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ہدایت اور بصیرت پر قائم ہو۔ اور انسان اس نور و ہدایت و استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف گامزن رہے۔ جس سے انسان (کفر و شرک اور گمراہی) کے اندھیروں سے حق و ہدایت کی طرف نکل سکے۔

یہ دعا نماز فجر کے لیے نکلنے کے وقت کے بارے میں ہے۔ لیکن جو چیز ظاہری طور پر نظر آرہی ہے وہ یہ کہ ممکن ہے یہ دعا دوسری نمازوں کے لیے نکلتے وقت بھی کی جاتی ہو۔ اسی لیے اس دعا کو تمام نمازوں کے لیے نکلنے کے اوقات میں ذکر کیا گیا ہے۔ محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''نماز کے لیے جانے کے آداب'' کے شروع میں ذکر کیا ہے، کہ نماز کے لیے نکلتے وقت یہ دعا کی جائے۔

فوائدِ حدیث :

① ہر وقت میں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنے کا بیان۔

② مسجد کی طرف جاتے ہوئے ذکر اور دعا کا بیان۔

③ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی بارگاہ میں رجوع اور گریہ وزاری و دعا۔

④ اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا کر رکھنا، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا۔

مسجد میں داخل ہونے کی دُعا

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے:

((أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَ بِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ "بِسْمِ اللّٰهِ"... "وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ" اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) [1]

''میں پناہ مانگتا ہوں عظمت والے اللہ کی، اس کے کریم چہرے اور قدیم سلطنت کی، شیطان مردود سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ (داخل ہوتا ہوں) اور صلوٰۃ و سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر اے اللہ کھول دے میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے۔''

مسجد سے نکلنے کی دُعا

جب مسجد سے نکلتے تو یہ دعا کرتے:

(("بِسْمِ اللّٰهِ" "وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ" اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ))

''اللہ کے نام کے ساتھ (میں نکلتا ہوں) اور صلوٰۃ وسلام ہو رسول ﷺ پر اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے فضل کا۔''

شــــرح: ......اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ہمیں مسجد میں داخل ہونے کے اور باہر نکلنے کے اذکار سکھا رہے ہیں۔ ہم مسجد میں داخل ہوتے وقت پیغمبر ﷺ پر درود پڑھتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت طلب کرتے ہیں۔اور مسجد سے نکلتے وقت

---

[1] صحيح سنن ابن ماجة: ٧٧١.

رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کے طلب گار ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے کے لیے رحمت کی دعا خاص ہے، جب کہ باہر نکلنے کے لیے فضل کی دعا خاص ہے۔ اس لیے کہ کتاب اللہ میں رحمت سے مراد نفسیاتی اور اخروی رحمتیں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (الزخرف : ۳۲)

''جو کچھ یہ لوگ اکٹھا کرتے ہیں تیرے مالک کی مہربانی اس سے بہتر ہے۔''

جب کہ فضل اس کی دنیاوی نعمتوں پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

(البقرة : ۱۹۸)

''اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں) اپنے پروردگار کا فضل و کرم چاہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعة : ۱۰)

''پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔''

نبی کریم ﷺ پر مسجد میں داخل ہونے کے وقت درود شریف پڑھنا اس لیے مشروع ہے کہ یہ ذکر کرنے کا مقام ہے۔ اور پھر مسجد میں جاتے ہوئے رحمت کی دعا خاص ہے جب کہ باہر نکلتے ہوئے فضل کی دعا خاص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ ایسے کاموں میں مشغول ہوتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کا اجر و ثواب اللہ کے پاس ہوتا ہے، اس کی مناسبت سے رحمت کا ذکر کیا گیا۔ اور جب انسان مسجد سے باہر نکلتا ہے تو رزق کی تلاش میں اللہ تعالیٰ کی زمین میں چلتا

پھرتا ہے، اسی مناسبت سے فضل ذکر کیا گیا۔

فوائدِ حدیث :

① ہر دعا اور ذکر کے وقت پیغمبر ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کی اہمیت۔

② اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء وگریہ زاری۔

③ اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت کی طلب۔

④ دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ سے فضل وکرم کا سوال۔

اذان سننے کے وقت کی دعائیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، فَقَالَ اَحَدُكُمْ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [1]

”جب مؤذن اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، کہے؛ تو تم میں سے کوئی ایک اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، کہے۔ پھر مؤذن اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، کہے تو یہ بھی

---

[1] صحیح مسلم، ح: ٨٤٥.

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، کہے۔ پھر مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ ، کہے تو یہ بھی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ ، کہے۔ پھر وہ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ ، کہے تو یہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ، کہے۔ پھر وہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، کہے تو یہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ، کہے۔ پھر وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، کہے تو یہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، کہے۔ پھر وہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه ، کہے تو یہ بھی "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه ، خلوص دل سے کہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔"

شرح: ......اذان سنتے وقت کی دعا اور ذکر یہ ہے کہ انسان اذان کے کلمات کو دھراتا رہے۔ یعنی وہ بھی اسی طرح کہے جیسے مؤذن کہہ رہا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ سوائے "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ" اور "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ " کے، ان کے جواب میں " لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کہے۔

حَــــوْلَ سے مراد حرکت ہے۔ یعنی نہ ہی میری کوئی حرکت ہے اور نہ ہی کوئی قوت و طاقت مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ: "خیر حاصل ہونے کے لیے کوئی قوت اور شر و برائی سے بچنے کی کوئی طاقت میری اپنی نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔

اور یہ بھی اس کا معنی بیان کیا گیا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی طاقت اور اس کی اطاعت پر قدرت وقوت صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ" اور "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ " سننے والے کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ ان اعمال کے لیے تمام قدرت وتصرف کو اللہ تعالیٰ کی مشیت ونصرت کی طرف منسوب کر دے۔ اس لیے کہ یہ ایسا کام ہے جو اس وقت تک ہونا ناممکن ہے جب تک اللہ تعالیٰ توفیق نہ دے۔

جب کہ اذان کے باقی الفاظ ذکر ہیں تو ان کے لیے مناسب یہی تھا کہ انسان وہی الفاظ دھراتا رہے۔ جب کہ "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ "اور"حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ "میں ایک کام (قیام نماز) کی دعوت ہے ؛ جس کی طرف مؤذن بلا رہا ہے، اور سننے والے پر اس کی بات ماننا ضروری ہے۔ جس کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوسکتی ہے۔

حدیث کے الفاظ" خلوص دل سے کہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا" سے مراد یہ ہے کہ جب وہ اپنے دل سے شہادتین کے معانی پر اعتقاد رکھتے ہوئے، اور لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ کے معانی پر اپنے دل سے ایمان رکھتے ہوئے یہ کلمات کہے؛ اور اللّٰہُ اَکْبَرُ معنی کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قربت کی تلاش میں ان الفاظ کو دھرائے تو وہ انسان جنت میں داخل ہوجائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان الفاظ کے دھرانے سے ان کی تاثیر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ شہادتین کا اقرار عقیدہ کی تجدید ہے۔ جب انسان کہتا ہے:" لَا إِلٰـــہَ إِلَّا اللّٰہُ " تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ میں اعتقاد رکھتا ہوں، اور اقرار و اعتراف کرتا ہوں کہ حقیقی الوہیت صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے۔ اور یہ گواہی اسے اس بات پر ابھارے گی کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرے، اور اپنے اعضاء سے غیر اللہ کی عبادت نہ کرے۔

اور ایسے جب انسان کہتا ہے:" اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ"...... "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی انسان کہنا چاہتا ہے کہ میں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔ اس اقرار کی وجہ سے اس کے دل میں اتباع نبوت و رسالت کا جذبہ و ولولہ پیدا ہوگا۔ اور جب وہ"لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ" کہے گا تو گویا کہ وہ اس بات کو اپنے پیش نظر لا رہا ہے کہ اس کی اپنی کوئی قوت و استطاعت نہیں سوائے اس کے کہ اس کا رب اس کی مدد کرے، اور اسے توفیق دے۔ گویا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے اور نماز کے لیے جانے کی کوئی قوت نہیں رکھتا مگر جب میرا رب مجھے اس کی توفیق اور طاقت دے۔ وہ اللہ ہی جو قوت دیتا ہے اور اس پر قدرت رکھتا ہے۔ جب کہ انسان ایک کمزور اور گنہگار چیز ہے

جس کی کوئی قوت وطاقت نہیں۔ یہی معنی ہے ''لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ'' کا۔

فوائدِ حدیث:

① مؤذن کے ساتھ ساتھ ہی اذان کے الفاظ دہرانے چاہییے، نہ کہ بعد میں کہے جائیں۔

② دنیا وآخرت میں کامیابی ونجات۔

③ جب مؤذن حَيَّ عَلَى الصَّلَاۃَ کہے تو سننے والے کو لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کہنا چاہیے۔

④ جب مؤذن حَيَّ عَلَى الْفَلَاحَ کہے تو سننے والے کو لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کہنا چاہیے۔

اذان سننے کی دعا

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو انسان اذان سنے اور پھر یہ کلمات کہے:

((وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا))

''اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور جنابِ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں راضی ہو گیا اللہ پر اُس کے رب ہونے پر اور محمد ﷺ پر ان کے رسول ہونے پر اور اسلام پر، اس کے دین ہونے پر۔''

اس کے سابقہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔'' [1]

---

[1] بخاری: ٦١٤.

شرح: ...... یہ حدیث اذان سننے پر یہ دعا پڑھنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ الفاظ شہادتین ادا کرنے کے وقت کہے جائیں۔ یعنی جب مؤذن "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، اور " اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہے (تو یہ الفاظ کہے جائیں)۔

بعض اہل علم نے کہا ہے: '' یہ دعا اذان کے بعد کہی جائے۔ لیکن جو بات ظاہر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کلمات شہادتین کے وقت کہے جائیں۔ اس لیے کہ یہ الفاظ: ((وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، رَضِيْتُ بِـاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا)) یہ تین امور جن پر یہ ذکر مشتمل ہے وہ یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر رضا مندی۔
- اسلام کے دین ہونے پر رضا مندی۔
- محمد کے اللہ کا رسول ہونے پر رضا مندی۔

یہی وہ تین اصول ہیں جن پر شیخ الاسلام محمد بن عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الأصول الثلاثة وأدلتها" کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی یہ تین اصول کہ انسان اپنے رب کو جان لے، اپنے دین کو جان لے، اور اپنے پیغمبر کو جان لے۔ ان ہی تین اصولوں کے بارے میں محمد بن عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی مفید اور مختصر کتاب لکھی ہے جس سے نہ ہی کوئی طالب علم اور نہ ہی کوئی عامی مستغنی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کتاب میں دین اور اصول دین کی معرفت ہے۔ اور انسان کے لیے اپنے رب اور اپنے دین کی پہچان ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہے۔ یہی وہ امور ہیں جن کے بارے میں قبر میں سوال کیا جائے گا۔ قبر میں انسان سے اس کے دین کے بارے میں، اس کے رب کے بارے میں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یہ تین امور اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر رضا مندی؛ اسلام کے دین ہونے پر رضا مندی

اور محمد کے اللہ کا رسول ہونے پر رضا مندی؛ ان کا ذکر اذان میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ صبح و شام کی دعاؤں میں اور دیگر مواقع پر بھی اس دعا کا ذکر آیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس انسان نے ایمان کی چاشنی کو پالیا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی و رسول ہونے پر راضی ہوگیا۔'' [1]

فوائدِ حدیث:

1. یہ حدیث اذان کے وقت اس ذکر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔
2. یہ دعا مؤذن کے الفاظ سننے کے وقت کی ہے، اذان کے بعد کی نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔
3. اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر؛ اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے اللہ کا رسول ہونے پر رضا مندی کے اظہار کا کثرت کے ساتھ ورد کرنا چاہیے۔
4. ان اوقات کو انسان اللہ کی بارگاہ میں گریہ و زاری اور التجاء کے لیے غنیمت سمجھے۔

اذان کے بعد کی دعا

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''جب تم مؤذن سے اذان سنو تو جیسے وہ کہتا ہے تم بھی کہو؛ پھر مجھ پر درود بھیجو؛ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ مانگو کیونکہ وہ جنت کا ایک درجہ ہے جو کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا جو کوئی اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت

---

[1] مسلم: ۱٦۰.

واجب ہو جائے گی۔''[1]

شـرح: ......''جب تم مؤذن سے اذان سنو......'' ظاہر میں لگتا ہے کہ یہ جواب دینا صرف اس کے ساتھ خاص ہے جو کوئی اذان کی آواز سنے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی انسان مؤذن کو منار پر چڑھے ہوئے دیکھتا ہے، اور وہ دور ہونے یا بہرہ ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز نہیں سن سکتا تو اس کے لیے ان کلمات کو دھرانا مشروع نہیں۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث کے الفاظ'' جیسے وہ کہتا ہے'' یہ نہیں فرمایا'' جیسے اس نے کہا'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ مؤذن کا ہر ہر کلمہ سننے کے بعد اس کا جواب دینا چاہیے۔

پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہادی اعظم پر درود پڑھنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو کوئی ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کا سوال کیا جائے۔ وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی بڑے کی قربت حاصل ہو جائے۔ اور اس کا اطلاق بلند منزل پر بھی ہوتا ہے۔ وسیلہ جنت کی منازل میں سے ایک منزل ہے؛ جو کہ مطلق طور پر جنت کا سب سے بلند ترین مقام ہے۔ اور یہ مقام و منزلت نہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے علاوہ نہ ہی کسی کے شایان شان ہے اور نہ ہی کوئی اس منزل کو پا سکتا ہے، اور نہ ہی کسی کے لیے یہ منزل مناسبت رکھتی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ''میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔'' علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ادب اس مقام کا ذکر امید کے منہج و طریقہ پر کیا ہے۔''

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' آپ نے یہ کلمات وحی اترنے سے پہلے کہے کہ آپ ہی اس منزل کو پانے والے ہو سکتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی۔ مگر اس کے ساتھ ہی دعا کو بھی ضروری سمجھا گیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ امت کی دعا کی کثرت کی وجہ سے اس مقام کی رفعت و بلندی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے درود پڑھنے کی وجہ سے ان

---

[1] مسلم: ۳۸٤.

کے عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے مقابلہ میں انسان اجر بھی پاتا ہے اور اس کے حق میں شفاعت بھی واجب ہوجاتی ہے۔ جو انسان یہ دعا کرتا ہے، اس کے لیے شفاعت واجب ہوجاتی ہے۔''

فوائدِ حدیث :

۱ مؤذن کا جواب دینا اور اس کے کلمات کو دھرانے کا واجب ہونا باتفاق العلماء ہے۔
۲ یہ کلمہ اس وقت دھرایا جائے جب مؤذن جملہ پورا کرچکے۔
۳ اذان کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کا وجوب۔
۴ اللہ تعالیٰ سے نبی کریم ﷺ کے لیے وسیلہ کا سوال۔
۵ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا اثبات۔ اور منکرین پر رد۔
۶ مقام وسیلہ کا بروز قیامت صرف نبی کریم ﷺ کے لیے خاص ہونا۔
۷ مؤذن کے کلمات کا ہر حال میں جواب دینا چاہیے۔ الا یہ کہ انسان بیت الخلاء میں یا اپنی حاجت میں مشغول ہو۔ اس لیے کہ ہر ذکر کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے جس کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ تاکہ سبب چھوٹ جانے کی وجہ سے وہ ذکر بھی نہ چھوٹ جائے۔
۸ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ سننے والا ویسے ہی کلمات کہے جیسے مؤذن اذان کے ہر جملہ میں کہتا ہے۔ البتہ جمہور علماء کرام کے نزدیک ''جب مؤذن ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ'' اور ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کہے تو سننے والے کو لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہیے۔

اذان کے بعد کی دعا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت : بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جو کوئی اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے :

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ

مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ))

''اے اللہ پروردگار اس مکمل دعوت اور کھڑی ہونے والی نماز کے عطا کر محمد ﷺ کو خاص قرب اور خاص فضیلت اور انہیں پہنچا دے اس مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

اس کے لیے روزِ قیامت میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔'' [1]

مشکل الفاظ کے معانی :

الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ : ...... ''مکمل دعوت'' اس سے مراد اذان ہے۔ اذان کے کمال اور عظمت کی وجہ سے اسے مکمل دعوت کہا گیا ہے۔

وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ : ......کھڑی ہونے والی نماز۔ یعنی جو کہ عنقریب کھڑی ہوگی۔

الْوَسِيْلَةَ : ...... بلند اور قربت والا مقام۔ جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف ایک ہی بندے کے لائق اور اس کے شایان شان ہے۔

وَالْفَضِيْلَةَ : ......یعنی ساری مخلوق پر بلند اور فضیلت والا مقام۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ لفظ وسیلہ کی تفسیر ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقام وسیلہ کے علاوہ کوئی دوسرا مقام ہو۔

حَلت : ......واجب ہوگئی۔

شــرح : ......اس حدیث میں ان الفاظ میں نبی کریم ﷺ کے لیے دعا کرنے کی مشروعیت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وسیلہ اور فضیلت عطا فرمائیں، اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور جو کوئی یہ دعا کرے گا اس کو یہ اجر ملے گا کہ اس کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے لیے وسیلہ مانگنے کی کیفیت کا بیان بھی ہے۔ وہ یہ

---

[1] بخاری: ٦١٤.

کہ انسان اذان کے بعد کہے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ))

اور وسیلہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے سابقہ حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ ''یہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جو کہ صرف ایک ہی انسان کے لیے ہے۔ اور پھر آپ ﷺ نے اپنے رب سے امید ظاہر کی کہ وہ ایک آدمی آپ ہی ہو سکتے ہیں۔

ایسے ہی فضیلت بھی ایک بلند اور جداگانہ مقام ہے۔اور مقام محمود سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے۔جس پر اگلے اور پچھلے سبھی تعریف کریں گے۔ یہ روز قیامت میں لوگوں کی شفاعت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سختی سے نجات عطا فرمائے جس میں وہ لوگ اس وقت موجود ہوں گے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مقام محمود'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس پر اگلے اور پچھلے لوگ حمد و ستائش اور تعریف کریں گے۔ اور جناب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کے سارے لوگ اس شفاعت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور میدان حشر کی سختی سے تمام لوگوں کی نجات شفاعتِ محمد ﷺ کی بدولت ہی ممکن ہوگی۔ یہ شفاعت بھی آپ کے ساتھ خاص ہے، اور آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

''میں قیامت والے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔'' [1]

پھر بیان فرمایا کہ ''اس دن لوگ ایک دوسرے کے پاس جائیں گے، اور وہ حضرت آدم کے پاس حاضر ہوں گے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں ؛ مگر آپ اپنا عذر پیش کر کے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا عذر پیش کریں گے اور انہیں حضرت موسی علیہ السلام کے پاس بھیج

---

[1] مسلم: ۵۰۱

دیں گے۔ حضرت موسی علیہ السلام اپنا عذر پیش کر کے انہیں حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا عذر پیش کریں گے اور انہیں ہمارے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیج دیں گے۔ آپ فرمائیں گے: ''میں اس کام کے لیے ہوں۔'' پھر آپ اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے جلال و کمال کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائیں گے۔ اور اس طرح یہ میدان محشر نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ختم ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ دنیا و آخرت میں اولا د آدم کے سردار ہیں۔ مگر یہاں پر خاص طور پر آخرت کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اس دن اوّل سے آخر تک، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے تمام لوگوں کے سامنے آپ کی سرداری واضح ہو جائے گی۔ یہی تاویل ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان کی کہ: ''میں قیامت والے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔''

فوائدِ حدیث:

① ہم پر واجب ہوتا ہے کہ اذان کے بعد یہ کہیں:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ))

② پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے لیے مقامِ وسیلہ اور فضیلت کی دعا کریں۔

③ جو کوئی نبی کریم ﷺ کے لیے مقام وسیلہ کی دعا کرتا ہے اس کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

④ بروز قیامت نبی کریم ﷺ کی اپنی امت اور تمام مخلوقات کے لیے شفاعت۔

⑤ نبی کریم ﷺ کے شرف و منزلت کا بیان۔

اذان اور اقامت کے درمیان دعا کی فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، پس تم (اس وقت)

دعا کیا کرو۔'' [1]

شــرح: ......اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی بلکہ قبول ہوتی ہے، اور اس کا جواب ملتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی بعض دوسری روایات میں ہے: ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے۔''

دعا کا لفظ مطلق ہونے کی وجہ سے ہر ایک دعا کو شامل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسے دوسری احادیث کی روشنی میں مقید کیا جائے۔ یعنی جب تک کہ یہ دعا کسی گناہ کے کام کی نہ ہو، اور قطع رحمی کی نہ ہو۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مستجاب'' (دعا مقبول ہوتی ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ جب یہ دعا، دعا کی شروط، آداب و ارکان پر مشتمل ہو تو مقبول ہوتی ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز چھوٹ جائے (اور دعا قبول نہ ہو تو) اپنے نفس کے علاوہ کسی دوسرے کو ملامت نہ کرے۔

فوائدِ حدیث :

۱. اذان اور اقامت کے دوران دعا کے مستحب ہونے کا بیان۔
۲. اذان اور اقامت کے دوران دعا قبول ہوتی ہے؛ جب تک کہ گناہ یا قطع رحمی کی بد دعا نہ کی جائے۔

[1] أخرجه أحمد: ۳/۱۵۵.

نماز اور اس کے بعد کی دعائیں واذکار

نماز شروع کرنے کی دعا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو فرماتے:

((سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ)) [1]

''تو پاک ہے اے اللہ! اپنی حمد کے ساتھ اور بہت بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے شان تیری اور نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ: ......یعنی میں تیری ایسی تنزیہ اور پاکیزگی بیان کرتا ہوں جس میں تیری حمد وتعریف شامل ہو۔

تَعَالٰى جَدُّكَ: ...... تیری شان وعظمت بہت بلند ہے۔

تَبَارَكَ: ...... برکت والا، منزہ، مقدس۔

شرح: سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ: ......یعنی میں تیری ایسی تنزیہ اور پاکیزگی

[1] صححه الألباني في المشكاة: ١٢١٧.

بیان کرتا ہوں جس میں تیری حمد وتعریف شامل ہو۔

وَتَبَارَكَ اسْمُكَ:...... تیرے نام کی خیر و برکت بہت زیادہ ہے، اور تیرا نام اس سے بہت بلند ہے کہ اس میں الحاد کیا جائے۔ یا تیرے بتائے ہوئے ناموں کے بغیر تیرا نام اختیار کیا جائے۔ اس لیے کہ تیرے لائق اور شایان شان اسماء کو تیرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

تَعَالٰى جَدُّكَ:...... تیری عظمت ہر اس عظمت سے بالا وبرتر ہے جس کا تصور کیا جاسکتا ہو۔ اور تیری بے نیازی بہت بلند ہے کہ تو کسی کا محتاج ہو۔ یا تیری بارگاہ میں کوئی پریشان حال التجاء گزار ہو اور پھر وہ ناکام اور مایوس واپس لوٹے۔

وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ:...... اور تیرے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں۔ تیرے سوا جتنے بھی ہیں، وہ تیری مخلوق، تیرے غلام اور تیرے قبضہ میں ہیں۔

اس طرح کے الفاظ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں بھی تہجد کی نماز کے شروع کرنے کے بیان میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ کہ جب آپ تہجد کے لیے تکبیر کہتے تو اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:

((سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ))

اور پھر اس کے بعد تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے۔ پھر اس کے بعد فرماتے:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ))

فوائدِ حدیث:

1. اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز شروع کرنے کی دعا کی تعلیم ہے۔
2. ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی طلب، حتیٰ کہ نماز کے شروع میں بھی۔
3. اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب اللہ کی مخلوق اور اس کے قبضہ میں ہیں۔

اور اس کے تصرف کے تحت ہیں۔

نماز شروع کرنے کی ایک دوسری دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تو قرأت شروع کرنے سے پہلے کچھ دیر کے لیے خاموش رہتے۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں دیکھتا ہوں کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر کے لیے خاموش رہتے ہیں، (اس وقفہ میں) آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں کہتا ہوں:

((اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ. اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ. اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ)) [1]

''اے اللہ دوری کردے درمیان میرے اور گناہوں کے جیسے دوری پیدا فرمائی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان۔ اے اللہ! مجھے صاف کردے میرے گناہوں سے جس طرح صاف کیا جاتا ہے سفید کپڑے کو میل کچیل سے۔ اے اللہ! مجھے دھو دے میرے گناہوں سے برف اور پانی اور اولوں سے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

بَيْنَ خَطَايَايَ: ...... یعنی افعال کے مابین اگر میں ان کا ارتکاب کروں تو وہ خطائیں بن جائیں۔ مقصود گناہوں سے حفاظت اور ان کے ترک کرنے کی توفیق کی طلب ہے۔ یا وہ خطائیں مقصود ہیں جن کا ارتکاب ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے۔

---

[1] بخاری: ٧٤٤۔ مسلم: ٥٩٨.

نَقِّنِیْ : ...... مجھے پاک کردے۔یعنی ان گناہوں سے پورے طور پر پاک کردے۔

الدَّنَسِ : ......گندگی؛ ناپاکی۔میل کچیل۔

الثَّلْجِ : ...... برف۔مقصود ہر قسم کی پاک کرنے والی چیز ہے۔مراد گناہوں کی مغفرت اوران ہر قسم کی رحمت اورمہربانی سے ان کی پردہ پوشی ہے۔

وَالْبَرَدِ : ......اولے۔

شــرح : ......اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز شروع کرنے کی دعا سکھا رہے ہیں۔ ہم بھی ویسے ہی دعا کریں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے۔ پس واجب ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان مشرق اورمغرب کی دوریاں پیدا کردے۔اورہمیں گناہوں سے ایسے پاک کردے کہ کسی گناہ کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ اوراس کے سارے گناہ معاف کردے۔ اوران گناہوں کے اثرات سے بھی پاک کردے تا کہ دوبارہ پہلے جیسے اعمال نہ کرے۔ (اور ایسے ہوجائے) جیسے گناہوں کا ارتکاب کرنے سے پہلے بالکل سفید چادر کی طرح تھا۔ یہاں پر سفید رنگ سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ سفید کپڑے میں صفائی کے نشان دوسرے رنگوں کی نسبت زیادہ ظاہر نظر آتے ہیں۔

دعا کے یہ الفاظ ((اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ بِالثَّلْجِ))......''اے اللہ ! مجھے برف سے دھو ڈال۔'' اس میں آسمانوں سے نازل ہونے والی کئی ایک پاک کرنے والی چیزوں کا ذکر ہے جن میں سے کسی ایک چیز سے ہی مکمل صفائی کا حصول ممکن ہے۔ اس میں مغفرت کی انواع واقسام کا بیان ہے۔جن کے بغیر گناہوں سے پاک ہونا ممکن نہیں۔اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے اپنی مغفرت کی کئی انواع واقسام سے گناہوں سے ایسے پاک کردے جیسا کہ ان چیزوں (پانی، برف اور اولے) کے ساتھ ظاہری نجاست سے طہارت حاصل کی جاتی ہے۔ اوراس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جارہا ہو کہ وہ ان تینوں چیزوں سے دھو

ڈالے جنہیں طہارت حاصل کرنے والے رفع حدث کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور انہیں اس کے گناہوں کے ختم ہونے کا سبب بنادے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب انسان وضو کرتا ہے اور وہ اپنے چہرہ کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے وہ تمام گناہ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس نے دیکھا ہو' یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ یہ گناہ بھی نکل جاتے ہیں۔''

بعض علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا فرمانا ہے کہ'' برف، پانی اور اولے'' سے مقصود امثال ہیں اعیان نہیں۔ بلکہ مقصد گناہوں سے طہارت اور ان کی مغفرت ہے۔

فوائدِ حدیث :

① نماز شروع کرنے کی دعا کا مقام تکبیر تحریمہ کے بعد ہے۔
② اللہ تعالیٰ سے ہر وقت مغفرت طلب کرتے رہنا چاہیے۔
③ صحابہ کرام کا ہر ایک کام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا۔
④ صحابہ کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام کی معرفت حاصل کرنے کے لیے حریص ہونا۔

نمازِ تہجد کی دُعا

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے، اور پھر یہ دعا پڑھا کرتے:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. اَنْتَ رَبِّيْ

جَمِيْعًا ، اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ، وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ ۔ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ ، وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَاَنَا بِكَ ، وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ)) [1]

''میں نے اپنے چہرے کو پھیر دیا اس ہستی کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یک سو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے، یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی بات کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں اللہ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں، اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو رب ہے میرا اور میں بندہ ہوں تیرا۔ میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر اور میں نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا۔ پس تو میرے سب گناہ معاف فرما دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے میری راہنمائی فرما اچھے اخلاق کی جانب کیونکہ کوئی راہنمائی نہیں کرسکتا اچھے اخلاق کی جانب مگر تو ہی۔ اور دور کر دے مجھ سے سب برے اخلاق (کہ) نہیں دور سکتا کوئی مجھ سے برے اخلاق مگر تو ہی، میں حاضر ہوں اور تابع فرمان ہوں اور تمام تر بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ میں تیرے ساتھ ہی ہوں، میری التجا بھی تیری طرف ہے۔ تو بہت بابرکت اور بڑا بلند ہے۔ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔''

شرح : ......رسول اللہ ﷺ اس حدیث مبارک میں ہمیں نماز شروع کرنے کی دعا

[1] مسلم : ۷۷۱.

سکھا رہے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہمارے لیے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور تکبیر تحریمہ یعنی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے۔ یہ وہی تکبیر ہے جس سے نماز شروع ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

'' طہارت نماز کی کنجی ہے۔اور اس کی تحریم تکبیر ہے، اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔'' (مسلم)

جب تکبیر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے ہوئے نماز میں داخل ہوتے تو پھر یہ دعا پڑھتے:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ))

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ اس دعا میں توحید کا اعلان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت میں اخلاص ہے۔اور انسان اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ لیتا ہے۔ اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے اور شرک اور مشرکین سے بری ہے۔ (پھر اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد وثنا بیان کی جاتی ہے کہ بے شک وہی خالق ہے جس نے آسمان وزمین کو اور ہر ایک چیز کو پیدا کیا۔ اور انسان جب یہ کہتا ہے:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا))

مراد یہ ہے کہ میں شرک سے منہ موڑے ہوئے اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑتا ہو، اور میں ہرگز مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوئے ہر ایک چیز سے منہ موڑ رہا ہوں۔ اور اخلاص کے ساتھ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اور اس بات سے بہت دور ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے ساتھ کسی اور کو بھی اس کا شریک بناؤں۔

عبادت کے لیے واجب یہ ہے کہ صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ جیسے

زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسے ہی عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ پیدا کرنے میں، ایجاد کرنے میں، رزق دینے میں، اور زندگی اور موت دینے میں اکیلا ہے، پس وہی عبادت کا مستحق ہے کہ صرف اس ایک اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش بجالائی جائے۔

نماز شروع کرنے کی دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا ... شَرِيْكَ لَهٗ))

نماز جو کہ سب سے بڑی عبادت اور کلمہ طیبہ کے اقرار کے بعد دین اسلام کا اہم ترین بنیادی رکن ہے۔ نماز خواہ نفل ہو یا فرض سب کی سب صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور ایسے ہی قربانی کا بھی معاملہ ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ "نُسُك" سے مراد قربانی (اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرنا) ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حج ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عبادت ہے۔ ذبح کے معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر: ۲)

''اور اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

اس آیت میں نماز اور قربانی (ذبح کرنے) کا ذکر ہے جسے "نسك" کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے وہی ذبیحہ ہوسکتا ہے جس کے ذبح کرنے سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا ہو۔

آپ کا یہ فرمانا: ((اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ)) "مَحْيَا" سے انسان کی پوری زندگی مراد ہے۔ پس انسان کی ساری کی ساری زندگی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ پس یہ واجب ہوتا ہے کہ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت اور

ان کاموں سے معمور ہو جن سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی انسان کی موت بھی صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ وہی کائنات کا مدبر و متصرف ہے۔ اور وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ اور وہی اس دنیا کی زندگی میں نیک اعمال کی توفیق دینے والا ہے تا کہ آخرت میں اس پر اجر و ثواب سے نوازے۔

اس لیے کہ دنیا کی زندگی ہی عمل کی جگہ ہے۔ اور موت اس عمل پر جزاء ملنے کے لیے ٹھکانہ ہے۔ اگر اچھے اعمال کیے ہوں گے تو اچھا بدلہ ملے گا، اور اگر برے اعمال ہوں گے تو برا بدلہ ملے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال: ۷، ۸)

''پھر جو کوئی ذرہ برابر (دنیا میں) نیکی کرے گا وہ (آخرت میں) اس کو (اپنے نامہ اعمال میں) دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((يَا عِبَادِيْ إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَالِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ۔)) [1]

''اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں کہ جنہیں میں تمہارے لیے اکٹھا کر رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جو آدمی بہتر بدلہ پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو بہتر بدلہ نہ پائے تو وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے۔''

حدیث کے الفاظ ((لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ)) یہی اصل میں '' لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ '' کا معنی ہے۔ اسے کلمہ اخلاص اور کلمہ توحید بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی میری عبادت صرف

[1] مسلم: ۶۷۳۷

اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ پس میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کی سب صرف اور صرف بغیر کسی شریک کے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ یہی کلمہ توحید کا معنی ہے۔ جیسا کہ کہنے والا کہتا ہے: ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ '' تو یہ کہنا کہ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اس میں نفی اور اثبات ہے۔ (یعنی غیر اللہ کے لیے بندگی کی نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کا اثبات) اور '' وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ '' میں اثبات اور نفی کی تاکید ہے۔ اس لیے کہ ''وَحْدَهٗ'' بھی ''اِلَّا اللّٰهُ'' کے معنی میں ہے۔ اور '' لَا شَرِيْكَ لَهٗ''...... ''لَا اِلٰهَ'' کے معنی میں ہے۔

پس ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' میں نفی اور اثبات ہے۔ شروع میں نفی ہے اور آخر میں اثبات ہے۔ اور ''وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَـهٗ'' میں اس نفی اور اثبات کی تاکید ہے۔ جب کہ خود اس جملے میں بھی نفی اور اثبات پائے جاتے ہیں۔

((وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ)): ...... ''مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، اور میں پہلے فرمانبرداروں میں سے ہوں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کی نماز اللہ کے لیے ہو، اس کی عبادت اللہ کے لیے ہو۔ یہ شرعی حکم ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

''اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے پیدا کیے ہیں تاکہ وہ میری عبادت کریں۔''

یعنی میں انہیں حکم دوں گا اور منع کروں گا۔ پس ان میں سے بعض کو ان احکام کے ماننے اور اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی توفیق دی جائے گی۔ اور بعض کو اس کی توفیق نہیں ہوگی۔

((وَاَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ)) ''اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔'' اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ قول نبی کریم ﷺ کی نسبت سے ہے۔ اس لیے کہ آپ اس خیر الامم امت کے پہلے فرد ہیں۔ آپ ان سب سے مقدم، پہلے اور ان پر سبقت لے جانے والے ہیں۔

آپ ہی وہ ہستی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی اور ہدایت نازل فرمائی۔ اور آپ پر وہ نور نازل فرمایا جس سے راہِ حق کی طرف ہدایت مل سکتی ہے۔ اور لوگوں کا اندھیروں سے روشنیوں کی طرف نکلنا ممکن ہے۔ جب کہ غیر نبی کی نسبت سے اس کا یہ معنی ہوگا کہ: ''میں سب سے پہلے سر تسلیم وخم کرتا ہوں؛ یا میں سب سے پہلے اس حکم کو ماننے کے لیے سبقت لے جاتا ہوں۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ہے۔ یا پہلے پہل دین میں داخل ہونے والے لوگوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ دین میں رہنما اور قابل اتباع ہستی تو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے نبی کریم ﷺ کی دعوت قبول کی وہ مردوں میں جناب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عورتوں میں جنابہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا اور بچوں میں جناب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ لیکن مسلمان جب یہ کلمات کہتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں یہ کلمات کہتا ہے۔ تو اس لحاظ سے معنی بنتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اس حکم کو ماننے والوں میں سے ہے نہ کہ سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونے والوں میں سے۔ مقصود ان احکام کو ماننے کے لیے جلدی کرنا، اور ان اوامر کو بجالینے میں ٹال مٹول سے گریز کرنا ہے۔ بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی دوسرا آدمی یہ کلمات کہے تو اسے چاہیے کہ وہ ((وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ)) ''اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں'' کے بجائے یوں کہے: ((وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ)) ''اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' اس لیے کہ سب سے پہلا مسلمان ہونے کا قول صرف رسول اللہ ﷺ پر ہی صادق آسکتا ہے۔ لیکن پہلا معنی کے لحاظ سے بھی یہ جملہ درست ہے جیسا کہ اس کی تاویل کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے۔ اور بعض اہل علم نے اسے ذکر بھی کیا ہے یعنی پہلا مسلمان ہونے سے (غیر نبی سے) مقصود احکام شریعت کو ماننے کی طرف سبقت لے جانا اور ٹال مٹول سے بچنا ہے۔

((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ)) یعنی تو ہی دنیا اور آخرت کا بادشاہ ہے۔ جیسا کہ سورت فاتحہ میں ہے کہ وہ بدلے کے دن کا بادشاہ ہے۔ فرمایا:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (الفاتحة : ۳)

''وہ بدلے کے دن کا بادشاہ ہے۔''

اس سے مراد قیامت کا دن ؛ بدلے کا دن اور جزاء وحساب کا دن ہے۔اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "الملك" کی طرف کی گئی ہے۔اس لیے کہ یہی وہ دن ہے جس میں تمام خلق ؛حتی کہ اس دنیا کے بڑے بڑے جابر اور متکبر لوگوں کی جانب سے بھی اللہ تعالیٰ کے خضوع، تذلل، اور عاجزی وانکساری کا اظہار ہوگا۔ اس لیے کہ اس دن تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کیے ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ'' وہ بدلے کے دن کا بادشاہ ہے'' اس دن تمام لوگ اللہ کے سامنے خضوع اختیار کیے ہوں گے۔ جب کہ دنیا میں لوگ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں جو ان پر جبر کرے۔ بلکہ دنیا میں ایسے لوگ بھی آئے ہیں جن کا دعوی یہ رہا ہے کہ ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى﴾ ''بے شک میں تمہارا بڑا رب ہوں۔'' اور اسی کافر (فرعون) نے یہ بھی کہا تھا:

﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرِي﴾ (القصص : ۳۸)

''مجھے تو معلوم نہیں کہ میرے سوا کوئی تمھارا خدا ہو۔''

مگر وہ (قیامت کا) دن ایسا دن ہوگا جب تمام کے تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے سروں کو جھکائے ہوں گے۔اس طرح کی ایک روایت نبی کریم ﷺ سے بھی منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:'' میں بروز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔'' حالانکہ آپ دنیا وآخرت میں لوگوں کے سردار ہیں۔مگر آپ کی یہ سیادت وسرداری قیامت والے دن کامل طور پر تمام لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے لوگوں پر آپ کی فضیلت اور ان کے ساتھ آپ کا احسان ظاہر ہوجائے گا جب آپ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے؛ جسے مقام محمود بھی کہا گیا ہے۔لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ شفاعت کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کردیں۔ اور لوگ (میدان حشر سے) اپنی منزلوں کی طرف جنت یا جہنم میں چلے جائیں۔ یہی وہ مقام ہے جس پر اگلے اور پچھلے لوگ تعریف کریں گے۔ پس

اس صورت میں ((اَنْتَ الْمَلِكُ)) ''تو ہی بادشاہ ہے'' کا معنی یہ ہوگا کہ تو دنیا اور آخرت کا بادشاہ اور ہر ایک چیز کا مالک ہے۔

اور آپ کا یہ فرمانا: ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ)): ...... یعنی تو ہی میرا معبود برحق ہے، تیرے علاوہ میرا کوئی معبود نہیں، اور نہ ہی میں تیرے علاوہ کسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ ہی تیرے علاوہ کسی کو عبادت کے لیے خاص کرتا ہوں۔ بلکہ عبادت کو خالص تیرے لیے ہی کرتا ہوں۔ اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس لیے کہ تو ہی وہ بادشاہ ہے جو کہ ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ اور جو ہر ایک چیز کا خالق و مالک ہو، اور ہر چیز نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہو تو واجب ہوتا ہے کہ صرف اس اکیلے معبود برحق کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

((اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ)): ...... ''تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔'' ہاں تو ہی میرا رب ہے جس نے مجھے پیدا کیا، مجھ پر ہر طرح کی نعمتیں کیں، اور مجھ پر اپنا فضل و احسان کیا۔ اور میں تیرا بندہ ہوں پس تو ہی پروردگار ہے، میں تیرا متواضع اور مسکین بندہ ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔

((ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ)): ...... یعنی میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا، اپنے آپ پر ظلم کرنے والا میں ہی ہوں۔ اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، اور اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا ہوں۔ لیکن میں تجھ سے امید رکھتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اس لیے کہ تیرے علاوہ کوئی بھی ان گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔

((فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ)): ...... یعنی میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، اور میں اس کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔ اور میں تجھ سے ان گناہوں کی مغفرت اور ان سے درگزر کرنے کا سوال کرتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ گناہ تیرے علاوہ کوئی بھی نہیں بخش سکتا۔ پس تو ہی ہے جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ اور تو ہی عیوب کا پردہ

رکھنے والا ہے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں،اور تجھ سے امید رکھتا ہوں کہ تو میرے گناہوں کومعاف کردے۔اور مجھ سے جن خطاؤوں کا ارتکاب ہوا ہےان سے درگزرفرمادے۔

((وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ)) : ...... ''میری راہنمائی فرما اچھے اخلاق کی جانب؛ کوئی راہنمائی نہیں کرسکتا اچھے اخلاق کی جانب مگر تو ہی۔''یعنی میری رہنمائی فرما،اور مجھے سیدھی راہ پر لگادے اور مجھے ثابت قدم رکھ کہ میرے اخلاق اچھے ہوں، اور اچھے اخلاق کی طرف تیرے علاوہ کوئی بھی رہنمائی کرنے والا نہیں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ان اخلاق حسنہ کی صفات سے متصف کردے۔ جو کہ تیرے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔

((وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ)):...... ''اور دور کر دے مجھ سے سب برے اخلاق؛ نہیں دور سکتا کوئی مجھ سے برے اخلاق مگر تو ہی۔''یعنی مجھے ان برے اخلاق سے بچالے جن سے تیرے علاوہ کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ ہر ایک چیز تیرے ہاتھ میں ہے۔تو جسے چاہے ہدایت دیدے، اور جسے چاہے گمراہ کردے۔ بے شک تو ہی پہلے ہے اور تو ہی آخر میں ہے، اور تیرے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں۔

((لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ)):...... ''میں حاضر ہوں اور تابع فرمان ہوں اور تمام تر بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔''لبیک کا معنی ہے'' قائم در قائم ''یعنی ہر طرح سے تیری اطاعت پر قائم ہوں۔عربی میں کہا جاتا ہے:''لب بالمکان''اس نے جگہ پر قرار پکڑا'' یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی جگہ پر اقامت اختیار کی جائے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''لبيك ''کا معنی ہے:'' حاضر ہوں، پھر حاضر ہوں۔''اس لیے کہ لبیک دعا قبول کرنے اور پکار سننے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔اور جب کسی انسان کو کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو وہ جن سب سے بہترین الفاظ میں اس کا جواب دیتا ہے وہ ہے لفظ '' لبيك''

نبی کریم ﷺ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو آواز دیتے تو وہ صحابی جواب میں کہتا: ((لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ.)) (لفظ ''لبيك'' کا) جو بھی معنی ہو،

میں تیری اطاعت پر قائم ہوں، یا تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، یا تیری دعوت کو قبول کرتا ہوں؛ ان معانی کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں؛ بلکہ ہر ایک معنی حق ہے۔ اس لیے کہ یہ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر باقاعدگی کے ساتھ قائم رہنے والا، اس کی دعوت کو قبول کرنے والا، اوراس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا ہے۔ اسی لیے حج کے تلبیہ میں کہا جاتا ہے کہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بیت اللہ کے حج کی دعوت دی؛ اور پھر جس کو حج کے لیے آنے کی توفیق دی تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اعمال حج میں داخل ہونے کے بعد یوں کہے: ((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ)) یعنی بے شک تو نے مجھے اپنے گھر کے حج کے لیے بلایا، اور مجھے یہاں آنے اور اس گھر تک پہنچنے کی توفیق دی؛ اور میں نے یہ عبادت شروع کردی ہے تو میں کہتا ہوں ((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ)) ''تو نے مجھے بلایا، تو میں حاضر ہوں'' اور میں کہتا ہوں: ((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ)) اور لفظ ''وَسَعْدَيْكَ'' کا معنی ہے: تیری طرف سے سعادتمندی کے بعد پھر سعادت مندی ہے۔ یا تیری طرف سے مدد کے بعد پھر مدد ہے۔

اور یہ قول ((وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ)) ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالی نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کرلیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالی نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔''

پس تمام خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو وہ نوازنا چاہے اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا اور جس کو وہ نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ

﴿ تَجْئَرُوْنَ] ﴾ (النحل ٥٣؛ قوسین[]والی آیت مترجم نے مکمل کی ہے۔)
''تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں، [اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو اسی کی طرف نالہ اور فریاد کرتے ہو۔]''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ (ابراهيم: ٣٤)
''اگر تم اللہ کے انعامات گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔''

اور حدیث قدسی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ اُطْعِمْكُمْ. يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُوْنِيْ اَكْسُكُمْ . يَا عِبَادِيْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْ لَكُمْ)) [1]

''اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں۔ تو تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں پہناؤں۔ تو تم مجھ سے لباس مانگو تو میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہوں کو بخشتا ہوں تو تم مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔''

پس خیر سب کی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس پر چاہے اپنی خیر اور فضل میں سے جس چیز کا انعام کر دے۔ اور جس کے لیے چاہے رزق کے دروازے کھول دے اور جس کے لیے چاہے محدود کر دے۔

---

[1] مسلم: ٦٧٣٧.

اور یہ قول ((وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ)) ''اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔'' یہ تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہیں۔ اور مخلوق میں صرف وہی کچھ ہوسکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔خواہ وہ خیر ہو یا شر۔ اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں صرف وہی چیز ہوسکتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ (اس کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوسکتا)۔ پس اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کی ہو۔ بلکہ ہر ایک موجود چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ چیزوں کو پیدا کرنے اور ان کے ایجاد کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ایجاد ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے اس کے علم اور مشیت کے مطابق ہوتی ہیں۔لیکن یہ فرمانا: ((وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ)) ''اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔'' حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق وموجد ہے، اور کوئی بھی چیز اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہوسکتی-خواہ وہ خیر ہو یا شر-۔تو اس جملہ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ: ''بے شک وہ شر جو کہ محض شر اور برائی ہے، جس میں خیر کا کوئی بھی پہلو نہیں ؛ اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی شر ایسا نہیں پیدا کیا جس پر کوئی مصلحت مرتب نہ ہوتی ہو؛ اور اس سے کوئی نہ کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو۔ ان ہی امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب انسان کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اسے اس کا اجر وثواب ملتا ہے۔

اور ان ہی چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں میں کفر کو پیدا کیا اور اہل ایمان موحدین میں ایمان پیدا کیا ہے جس کی بنا پر جہاد کا وجود ہے۔اور جس کی بنا پر حق اور باطل کے درمیان معرکہ جاری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی شر ایسا نہیں پیدا کیا جو محض شر ہو، اور اس پر کوئی فائدہ یا مصلحت مرتب نہ ہوتی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی شر پیدا کیا ہے، اس میں کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی فائدہ یا مصلحت ضرور ہے۔پس محض اور خالص شر جس میں کوئی بھی خیر کا پہلو نہ ہو، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاسکتی۔اور یہ بھی کہا

گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شر کے کام سے اللہ کی قربت نہیں حاصل کی جاسکتی۔ اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں۔

اور یہ قول ((وَاَنَـابِكَ ، وَاِلَيْكَ)) میں تیرے ساتھ ہی ہوں، میری التجا بھی تیری طرف ہے۔یعنی میں تیری ہی وجہ سے قائم ہوں جب تک کہ تو مجھے قائم رکھے گا(میں قائم رہوں گا)؛ اور میں تیری عبادت کرنے والا ہوں،اور عبادت کو خالص تیرے لیے کرنے والا ہوں،اور تجھ پر اعتماد کرتا ہوں،اور تجھ پر توکل کرتا ہوں، اور تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں، اور میری امیدیں تیرے ہی ساتھ معلق ہیں۔اور میری تمام تر امیدیں اور خواہشات تیری ہی طرف ہیں اور خود میری انتہاء بھی تیری طرف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾

(الغاشية: ٢٥، ٢٦)

''بے شک ان (سب) کو(مرنے کے بعد)ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔
پھران (سب) سے حساب کتاب لینا بھی ہمارا ہی کام ہے۔''

اور یہ قول کہ ((تَبَـارَكْـتَ وَتَعَالَيْتَ)) ''تو بہت بابرکت اور بڑا بلند ہے۔''ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ وہ برکت اور بلند شان والا ہے کہ اس کے نام کے ساتھ ہر قسم کی برکت آتی ہے۔ وہ خود اپنی ذات میں بھی برکت والا ہے اور دوسروں کو برکت دینے والا ہے۔ اور وہی اس بلند شان والا ہے کہ یہ صفات صرف اسی کے شایان شان ہیں۔پس کسی دوسرے کے لیے نہیں کہا جاسکتا: ((تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ)) ''تو بہت بابرکت اور بڑا بلند ہے۔'' یہ کلمات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کہے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ کسی اور کے لیے ''سبحانك '' نہیں کہا جاسکتا۔ایسے ہی (تَبَـارَكْـتَ وَتَعَالَيْتَ) بھی کسی دوسرے کے لیے نہیں کہا جاسکتا۔

اور یہ قول کہ ((اَسْتَـغْـفِـرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْك)) ''میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور

تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' یعنی میں تمام گناہوں پر تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

فوائدِ حدیث :

① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز شروع کرنے کی دعا سکھاتے ہیں۔

② اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت میں اخلاص کہ انسان اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیتا ہے، اور یہ کہ وہ اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔اور وہ شرک اور مشرکین سے بالکل بری ہے۔

③ عبادت (قبول ہونے) کے لیے واجب ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور اس میں کسی قسم کا کوئی شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

④ صرف ایک اللہ جو کہ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے والا ہے؛ جو رزاق ہے، اور زندگی اور موت دینے والا ہے، خالص اس اللہ کے لیے بغیر کسی شرک کے عبادت کی جائے۔

⑤ یہ کہ بے شک نماز اور قربانی؛ زندگی اور موت صرف اور صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے جو کہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

⑥ ہمیں اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے کہ وہ کریم و مہربان ذات ہمیں اخلاق حمیدہ سے متصف کردے؛ جن کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کے علاوہ کوئی اور نہیں۔

رکوع اور سجدہ کی دعائیں

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں فرمایا کرتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ)) [1]

''پاک ہے تو اے اللہ اے ہمارے پروردگار، اپنی تعریف کے ساتھ اے اللہ! مجھے معاف فرمادے۔''

---

[1] بخاری: ۸۱۷.

اور آپ ہی سے روایت ہے، فرماتی ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ (دعا) فرمایا کرتے تھے:

((سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوحِ)) [1]

''بہت ہی پاکیزہ، انتہائی مقدس، رب فرشتوں اور روح (جبرائیل) کا۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

سُبْحَانَكَ : ......تو منزہ ہے، پاک ہے۔

سُبُّوحٌ : ...... ہر ایک عیب سے منزہ اور پاک۔

قُدُّوسٌ : ......مبارک؛ بابرکت۔

شرح : ...... یہ اذکار رکوع اور سجدہ کی حالت کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کثرت کے ساتھ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا کیا کرتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي))

آپ نے یہ دعا کرنا اس وقت شروع کی جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○﴾ (النصر: ۱-۳)

''(اے پیغمبر ﷺ!) جب اللہ کی مدد اور فتح آن پہنچی (اور مکہ فتح ہوگیا)۔ اور آپ نے (لوگوں کو) دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔ آپ تعریف کے ساتھ اپنے مالک کی پاکی بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیں بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی اجل کا بیان بھی ہے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] مسلم: ٤٨٧.

خود اپنے نبی کریم ﷺ سے تعزیت کی ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت آن پہنچی، اور مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔ تو اب آپ کی رحلت کا وقت بھی قریب تر آ گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت سے یہی مراد سمجھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عمر میں چھوٹے تھے۔ مگر پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو ساتھ لے کر بڑے بڑے صحابہ کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ کسی نے کہا: ''ایسے کیوں ہے کہ آپ اپنے بیٹوں کو چھوڑ کر انہیں مجلس میں لے کر آتے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ ان لوگوں کے سامنے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت ظاہر کریں۔ تو آپ نے ایک دن لوگوں سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾ (النصر: ۱۔۳)

''(اے پیغمبر ﷺ!) جب اللہ کی مدد اور فتح آن پہنچی (اور مکہ فتح ہوگیا)۔ اور آپ نے (لوگوں کو) دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق درجوق داخل ہو رہے ہیں۔ آپ تعریف کے ساتھ اپنے مالک کی پاکی بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیں بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

کہنے لگے: اس سے مراد یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت آن پہنچی ہے، پس آپ تعریف کے ساتھ اپنے مالک کی پاکی بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیں۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''اے ابن عباس! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں، اس میں رسول اللہ ﷺ کی اجل کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مکہ اور اپنی مدد ایک نشانی عطا کی تھی۔ جب یہ فتح اور مدد مل گئی تو اب آپ کی اجل بھی قریب ہے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت سے میں بھی وہی سمجھا ہوں جو آپ سمجھے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کریں اور استغفار کریں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور آپ کثرت کے ساتھ اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ))

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کے ساتھ اس کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اس کی ذات سے ہر قسم کی صفاتِ نقص کی نفی کرتے ہیں، اور توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ (اور اللہ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں)۔

اور ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے:

((سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ))

''بہت ہی پاکیزہ، انتہائی مقدس، رب فرشتوں اور روح (جبرائیل) کا۔''

یعنی (اے اللہ!) تو بہت ہی پاک اور منزہ ہے، (اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنے میں مبالغہ ہے)۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے، وہ فرشتوں کا پروردگار ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں؛ جن کا ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ جب کہ روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ جو کہ فرشتوں میں سب سے افضل ہستی ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے رکوع اور سجدہ میں کثرت سے مذکورہ بالا دُعائیں پڑھا کرے۔

فوائدِ حدیث:

① رکوع اور سجدہ میں ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ)) کہنا بھی جائز ہے۔

② رکوع اور سجدہ میں مغفرت کے لیے دعا کرنا بھی جائز ہے۔

③ نمازی کے لیے جائز ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں کہے:

((سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ))

رکوع کی دعائیں

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا۔ پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور (پہلی رکعت میں) سورہ بقرہ پڑھی۔ جب آپ ﷺ کسی رحمت والی آیت پر پہنچتے تو وہاں ٹھہرتے اور اللہ سے رحمت طلب کرتے۔ اور جب عذاب والی آیت پر پہنچتے تو وہاں بھی ٹھہرتے اور اللہ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا قیام کے مطابق اور رکوع میں یہ پڑھتے تھے:

((سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ))

''پاک ہے بہت بڑی قدرت و طاقت والا، بڑی بادشاہت والا اور بڑائی اور عظمت والا۔''

اس کے بعد قیام کے مطابق آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی وہی دعا پڑھتے تھے جو رکوع میں پڑھی تھی۔ پھر (دوسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوئے اور سورہ آل عمران پڑھی۔ پھر (باقی دو رکعتوں میں بھی ایک ایک سورت پڑھی)۔''[1]

مشکل الفاظ کے معانی:

ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ:......غلبہ، قہر اور ہر ایک چیز میں کامل تصرف رکھنے والا۔

شرح:......(صحابی کہتے ہیں): ایک رات میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ جب آپ نے رکوع کیا تو ٹھہر گئے۔ آپ اتنی دیر رکوع میں رہے جتنے وقت میں سورت بقرہ پڑھی جاسکتی ہو۔ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حالت قیام میں سورت بقرہ پڑھی۔ جب بھی آپ کسی رحمت کے بیان والی آیت پر پہنچتے تو وہاں کچھ دیر کے لیے رک جاتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے۔ اور جب

---

[1] صحیح سنن ابی داؤد: ۸۷۳.

بھی آپ کسی عذاب کے بیان والی آیت پر پہنچتے تو وہاں کچھ دیر کے لیے رک جاتے اور عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے۔ اور پھر اپنے قیام کے برابر لمبا رکوع کرتے؛ جیسا کہ سنن نسائی کی روایت سے ظاہر ہے۔

سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ:...... جبروت جبر سے ہے جو کہ غلبہ اور تسلط کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ملکوت، ملک سے ہے۔ اس سے مراد تصرف ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ کامل غلبے والا اور مکمل تصرف والا ہے۔

وَالْكِبْرِيَاءِ:...... "کبر" سے ہے۔ اس کا معنی ہے عظمت۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کمال ذات اور کمال وجود ہے؛ اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں بیان کی جاسکتی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کمال ذات ہے اور **الْعَظَمَةِ** سے مراد کمال صفات ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ **وَالْكِبْرِيَاءِ** سے مراد بلندی اور ہر قسم کے عیب سے پاکیزگی ہے اور **الْعَظَمَةِ** سے مراد قدر و بزرگی میں حدِ احاطہ سے تجاوز ہے۔ ان دونوں لفظوں کے درمیان فرق پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں ہے:

"کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری تہہ بند ہے، جو کوئی مجھ سے ان دو کے بارے میں جھگڑا کرے میں اسے توڑ کر رکھ دیتا ہوں۔"[1]

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے قیام کے برابر لمبا سجدہ کیا۔ پھر سجدہ میں بھی اسی طرح کی دعا کی۔ اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے: "اپنے رکوع کے برابر لمبا سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی یہی دعا کی۔"

یہ احادیث رکوع اور سجدہ میں اس دعا کی مشروعیت اور رکوع اور سجدہ کے بقدر قیام لمبا ہونے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ذاتی فعل اس میں مختلف نوعیت کا ہوتا تھا۔ کبھی آپ بقدر قیام لمبا رکوع اور سجدہ کرتے۔ اس طرح آپ کا قیام، رکوع اور سجدہ برابر

---

[1] مستدرك حاكم، ح: ١٨٧.

کے طویل ہوتے۔ اور اکثر اوقات میں قیام رکوع اور سجدہ سے طویل ہوا کرتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ کا قیام لمبا ہوتا تو آپ رکوع اور سجدہ میں کثرت کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر جب کبھی قیام میں تخفیف کرتے تو رکوع اور سجدہ کے اذکار میں بھی تخفیف کیا کرتے تھے۔

فوائدِ حدیث :

① جائز ہے کہ انسان جو دعا رکوع میں پڑھے وہی دعا سجدہ میں بھی پڑھ لے۔

② رکوع اور سجدہ میں ((سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ)) کہنے کا جواز۔

③ یہ جائز ہے کہ انسان کا رکوع اس کے قیام کے برابر لمبا ہو۔

④ تسبیح کی کثرت اور تکرار کا جواز۔ اس لیے کہ راوی نے اس کے علاوہ کوئی اور دعا ذکر نہیں کی۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قیام کے برابر طویل رکوع کیا۔

رکوع سے اٹھنے کی دعا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

''میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ ﷺ نے سورالبقرہ شروع فرما دی تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ سو آیات پر رکوع فرمائیں گے۔ پھر آپ آگے چلے میں نے دل میں کہا کہ آپ اس ایک پوری سورت پر رکوع فرمائیں گے۔ پھر آپ نے سورت نساء شروع فرما دی۔ پوری سورت پڑھی پھر آپ نے سورت آل عمران شروع فرما دی۔ اس کو آپ نے ترتیل اور خوبی کے ساتھ پڑھا۔ جب آپ اس آیت سے گزرتے جس میں تسبیح ہوتی تو آپ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے۔ اور جب آپ کسی سوال سے گزرتے تو آپ سوال فرماتے۔ اور جب آپ تعوذ والی آیت پر سے گزرتے تو آپ ﷺ پناہ

مانگتے۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع فرمایا اور ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ))
پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا رکوع بھی قیام کے برابر ہوگیا۔ پھر آپ نے
((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) کہا۔ پھر اس کے بعد رکوع کے برابر دیر تک لمبا
قیام فرمایا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا اور سجدہ میں آپ ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى))
پڑھتے رہے۔ اور آپ کا سجدہ بھی آپ ﷺ کے قیام کے برابر لمبا تھا۔''

ابن ابی اوفی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ کو سیدھا کرتے تو فرماتے:

((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ))

((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ)) [1]

''اے اللہ اے ہمارے پروردگار! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، اتنی کہ بھر جائے اس سے آسمان اور بھر جائے اس سے زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور بھر جائے ہر وہ چیز جسے تو چاہے اس کے بعد۔''

شرح: ......اس حدیث میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہمیں خبر دے رہے ہیں کہ ایک رات انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ کبھی کبھار اپنے صحابہ کے ساتھ رات کی نفل نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی؛ ایک بار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ، ایک بار عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ اور کبھی آپ ﷺ رات کو اکیلے ہی نماز پڑھا کرتے۔ اس لیے کہ رات کی نفل نماز میں جماعت صرف ماہ رمضان میں ہی مشروع ہے۔ لیکن اگر کبھی کبھار رات کو تہجد وغیرہ میں جماعت کرلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حدیث مبارک سے ظاہر ہے۔

[1] أخرجه مسلم: ۷۷۲.

صحابی فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے سورت بقرہ شروع کی؛ میں نے سوچا تھا کہ آپ سو آیات پر رکوع کریں گے۔ مگر آپ نے پوری سورت پڑھ دی۔ پھر میں نے سوچا کہ اب آپ رکوع فرمائیں گے، مگر آپ نے سورت نساء بھی پوری پڑھ لی۔ میں نے سوچا کہ اب آپ رکوع فرمائیں گے۔ مگر آپ نے اس کے ساتھ سورت آل عمران بھی ملا لی۔ (اور یہ تینوں سورتیں) ایک رکعت میں پڑھ ڈالیں۔ اور آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ جلدی نہیں کرتے تھے۔ اور جب آپ تسبیح والی آیت پر سے گزرتے تو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے۔ اور جب سوال والی آیت سے گزرتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے مانگتے اور سوال کرتے۔ اور جب پناہ والی آیت سے گزرتے تو وہاں پر اللہ کی پناہ مانگتے۔

اس طرح آپ ﷺ قرأت و ذکر اور دعا و تفکر کو جمع کرتے۔ اس لیے کہ جو کوئی سوال کے موقع پر سوال کرے؛ پناہ کے موقع پر پناہ مانگے، اور تسبیح کے موقع پر تسبیح کہے؛ تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ وہ اپنی قرأت میں غور و فکر اور تدبر سے کام لے رہا ہے۔ پس آپ کا یہ قیام ذکر کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہوتا۔ جس میں قرأت، تسبیح، دعا، ذکر، تدبر اور تفکر ساری چیزیں جمع ہوتیں۔ اور نبی کریم ﷺ اس تمام مرحلے کے دوران رکوع نہ فرمایا کرتے تھے۔ پس یہ تین سورتیں جو کہ پانچ سپاروں سے زیادہ بنتی ہیں، تدبر و تفکر کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ایک ہی رکعت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ جس میں آیت رحمت پر اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال بھی کرتے، اور آیت عذاب پر عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے۔ اور تسبیح کے موقع پر سبحان اللہ، یا سبحان اللہ وبحمدہ بھی کہا کرتے تھے۔

اس سارے معاملہ کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے لیے ایک لمبا وقت چاہیے۔ اسی لیے آپ کے قدم مبارک پھول جاتے، اور پھٹ جاتے۔ یہاں تک کہ جناب سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کہ جوان تھے، ایک رات جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی؛ تو آپ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے اتنا طویل قیام کیا کہ میرے دل میں برے خیال آنے لگے۔ آپ سے پوچھا گیا: آپ کے دل میں کیا

خیال آنے لگا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''میرے دل میں خیال آنے لگا تھا کہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دوں اور خود بیٹھ جاؤں۔'' اس لیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتنا لمبا وقت قیام کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔

پھر جب نبی کریم ﷺ نے یہ تین سورتیں مکمل کرنے کے بعد رکوع کیا دیر تک ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ)) پڑھتے رہے۔ اور قیام کے برابر لمبا رکوع کیا۔ پھر جب رکوع سے سر اٹھایا تو لمبا قیام کیا۔ اور فرمایا: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)) یہاں تک کہ آپ کا قیام (رکوع کے بعد قومہ) بھی رکوع کی طرح لمبا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور سجدہ میں آپ ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى)) پڑھتے رہے۔ اور اتنا لمبا سجدہ کیا کہ سجدہ بھی قیام کے برابر تھا۔

نبی کریم ﷺ (رات کو تہجد) ایسے پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ کی یہ نماز متناسب ہوا کرتی تھی۔ جب آپ قیام لمبا کرتے تو رکوع اور سجدہ؛ قومہ اور جلسہ (دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھنا) بھی لمبا کیا کرتے تھے۔ اور جب قرأت میں تخفیف کرتے تو پھر رکوع اور سجدہ میں بھی تخفیف کیا کرتے تھے تا کہ نماز متناسب ہوا کرے۔ فرض اور نفل نماز میں آپ کا یہی طریقہ ہوا کرتا تھا۔

دوسری حدیث: ...... جب نبی کریم ﷺ رکوع سے اپنی پیٹھ سیدھا کرنا شروع کرتے تو ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) کہتے۔ اور جب سیدھا کھڑے ہو جاتے تو......

((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ))

اس سے مراد اس کا اجر و ثواب ہے:

((وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ)) کہا کرتے۔

مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ سے مراد عرش و کرسی اور وہ چیزیں ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں مگر یہاں پر ذکر نہیں کی گئیں۔

علامہ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''((وَمِلْءَ مَا شِئْتَ)) میں انسانی کوششیں بجالانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حمد کا حق ادا کرنے سے عاجز آجانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد تو زمین و آسمان کے برابر ہے۔ یہی سابقین کی پہنچ کی انتہاء ہے۔ پھر اس سے آگے نکلتے ہوئے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کر دیا۔ اس لیے کہ اس کے بعد حمد کی کوئی انتہاء ہی نہیں۔ اور یہ رتبہ جس پر مخلوق میں سے کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکا، (یہاں پر پہنچنے والا) اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا نام ''احمد'' (بہت زیادہ حمد وثناء بیان کرنے والا) رکھا جائے۔

فوائدِ حدیث:

1. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اس مجاہد کی طرح تھے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ پر مشقت کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لیے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور صحابہ کرام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ﴾

(الفتح : ۲۹)

'' آپ انہیں دیکھیں گے رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالی کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں۔''

2. رات کو تہجد کی نماز کے لیے جماعت کرنے کے جواز کا بیان۔ مگر ایسا ہمیشہ کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ایسا کبھی کبھار رمضان کے علاوہ باقی ایام میں ہونا چاہیے۔ جب کہ رمضان میں سنت یہ ہے کہ انسان جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرے۔

3. تہجد کی نماز میں انسان کو چاہیے کہ جب کسی رحمت کی آیت سے گزرے تو وہاں رک کر اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرے۔ مثال کے طور پر کسی آیت میں جنت کا ذکر

ہوتو انسان کو وہاں رک کر اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنا چاہیے۔اور یہ کہنا چاہیے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَھْلِھَا ... اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ))

''اے اللہ! مجھے بھی اہل جنت میں سے بنا دے۔اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں۔''

اور جب کسی عذاب کے ذکر والی آیت سے گزرے تو یوں کہے:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ))

''میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، اور میں جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

اور ایسے ہی جب کسی تسبیح والی آیت سے گزرے تو وہاں پر رک کر "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" کہے۔یہ تمام امور رات کی (نفل) نماز میں ہیں۔اگر فرض نماز میں ایسا کیا جائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں، لیکن ایسا کرنا سنت سے ثابت نہیں۔ [1] اور اگر کسی نے ایسا کر دیا تو اسے اس سے منع نہ کیا جائے۔اور اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اسے ایسا کرنے کا حکم نہ دیا جائے۔بخلاف رات کی نفل نماز کے۔اس لیے کہ تہجد کے لیے افضل ہے کہ انسان ایسے ہی کرے۔آیت وعید پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، اور آیتِ سوال پر اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرے۔اور آیتِ تسبیح پر سبحان اللہ کہے۔

4 اس حدیث میں بعض سورتوں کو بعض دوسری سورتوں پر مقدم کرنے کا جواز ہے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے سورت نساء کو سورت آل عمران پر مقدم کیا تھا۔لیکن ایسا کرنا آخری سال سے پہلے تھا۔آخری سال میں نبی کریم ﷺ سورت نساء پر آل عمران کو مقدم کیا کرتے تھے۔اسی لیے صحابہ کرام نے قرآن کو اسی ترتیب سے مرتب کیا اور

---

[1] یہ مصنف کا ذاتی نقطہ نظر ہے۔ورنہ شریعت میں ہر ایک چیز کا موقع اور طریقہ موجود ہے۔فرائض میں بھی ان اذکار کی پابندی کی جائے جو کہ سنت سے ثابت ہیں؛ ورنہ ان سے گریز کیا جائے۔

آل عمران کو نساء سے پہلے رکھا۔ نبی کریم ﷺ بقرہ اور آل عمران کو آپس میں ملایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر آپ کا فرمان:

''اور دو روشن سورتوں کو پڑھا کرو سور البقرہ اور سور آل عمران کیونکہ یہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے کہ دو بادل ہوں یا دو سائبان ہوں یا دو اڑتے ہوئے پرندوں کی قطاریں ہوں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی۔'' [1]

الغرض آخر میں ترتیب یہ تھی کہ سورت آل عمران کو سورت نساء پر مقدم کیا جاتا تھا۔

٥ نبی کریم ﷺ تسبیح ((سُبْحَانَ اللّٰهُ)) کہتے، اور اسے بار بار دھراتے۔ اس لیے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' آپ ﷺ ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ)) کہتے اور رکوع کو لمبا کرتے۔ اور ایسے ہی سجدہ میں ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى)) کہتے اور سجدہ کو لمبا کیا کرتے تھے۔'' انہوں نے رکوع اور سجدہ کو لمبا کرنا تو ذکر کیا ہے، مگر تسبیح کے علاوہ کوئی اور کلمات ذکر نہیں کیے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع اور سجدہ میں جتنی بار بھی تسبیح کا تکرار کیا جائے؛ اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا کرنا سنت ہے۔

٦ واجب ہوتا ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت بھی وہی کلمات کہنے چاہیں جو نبی کریم ﷺ کہا کرتے تھے۔

٧ رکوع کے بعد قومہ کے طویل ہونے کی مشروعیت پر دلیل۔

٨ ہر حال میں اور ہر طرح کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی۔

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنے کی فضیلت

حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے نماز

---

[1] مسلم: ١٨٢٠.

پڑھ رہے تھے تو (ہم نے دیکھا کہ) جب آپ نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا تو فرمایا:

((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ))

''سن لیا اللہ نے جس نے بھی اس کی تعریفیں کیں۔''

ایک شخص نے آپ کے پیچھے کہا:

((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ. حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ))

''اے ہمارے رب! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، تعریف بہت زیادہ پاکیزہ جس میں برکت کی گئی ہے۔''

آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ''یہ کلمات کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ ''میں تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''میں نے تیس سے کچھ زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کے لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔'' [1]

شرح: ......اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ یہ کلمات کہنے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں۔ فرشتے ان کلمات کو لکھنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی فضیلت کی وجہ سے کون ان کلمات کو پہلے لکھے۔ اور ہر فرشتہ ان کلمات کو لکھنے کا اجر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ حدیث نماز میں ان کلمات کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ مقتدی کے لیے مشروع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے کلمات میں زیادہ کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور یہ ذکر فرض نماز میں رکوع کے بعد سیدھا کھڑے ہو جانے کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ (اور غالب طور پر صحابہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے فرض نماز ہی پڑھا کرتے تھے، نفل نماز باجماعت کے واقعات بہت کم ہیں)۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اگر کبھی کبھار مقتدی امام کے پیچھے کوئی دعا

---

[1] بخاری: ۷۹۹.

بلند آواز سے پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ امام اگر کبھی کبھار دن کی نمازوں میں جہری قراءت کرے تو ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

فوائدِ حدیث:

1. رکوع کے بعد کھڑا ہونے کا ذکر؛ ویسے ہی ہونا چاہیے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔
2. ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ)) کہنے کی فضیلت
3. ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)) کو جہری آواز میں کہنے کا جواز؛ اور امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں اس طرح کی دعا سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

رکوع سے اٹھتے ہوئے عاجزی وانکساری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ مِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ، اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَاقَالَ الْعَبْدُ، وَكُلُّنَالَكَ عَبْدٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) [1]

''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، اتنی کہ بھر جائے اس سے آسمان اور بھر جائے اس سے زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور بھر جائے ہر وہ چیز جسے تو چاہے اس کے بعد۔ اے تعریف اور

---

[1] مسلم: ٤٧٧.

بزرگی کے لائق ! یہ سب سے سچی بات ہے جو بندے نے کہی ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ ! جسے تو نوازے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور اُسے کوئی نوازنے والا نہیں جسے تو روک لے۔ اور کسی بھی صاحبِ حیثیت کو اسکی حیثیت تیرے یہاں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔"

مشکل الفاظ کے معانی :

اَلثَّنَاءِ :......شکر

اَلْمَجْدِ :......عظمت و رفعت

وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ :...... "یعنی دنیا کے خوش نصیب مال و اولاد اور جاہ و مرتبہ والے کو اس کو حیثیت تیری پکڑ سے نہیں بچا سکتی۔ بلکہ کام آنے والی چیز نیک اعمال ہیں۔

شرح : ......راوی اس دعا کے بارے میں خبر دے رہے ہیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے رکوع سے اٹھتے وقت سنی۔ آپ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ))

یہ دعا اور اللہ تعالیٰ کی قربت (کا وسیلہ) ہے۔

اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ :......تو ہی لائق تعریف و شکر ہے اور بزرگی اور عظمت والا ہے۔

اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ :......یعنی بندے نے جو کچھ تیری تعریف میں کہا ہے، تو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ : ......ہم سب کے سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اور ہمیں چاہیے کہ ہم تیری تعریف اور حمد و ثنا ان الفاظ میں بیان کریں۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے مزید تعریف کو اسی کی طرف تفویض کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف ہے۔ اور یہ صراحت ہے کہ

انسان کی اپنی کوئی قوت و طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے علاوہ نہیں۔ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ نیز اس دعا میں دنیا سے زھد اختیار کرنے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی ترغیب ہے۔

لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ : ...... جو کہ اللہ تعالیٰ کوئی چیز دیدے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نہ دے اسے کوئی نوازنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○﴾

(فاطر : ۲)

''اللہ تعالی جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کردے تو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔''

وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ : ...... ''یعنی دنیا کے خوش نصیب مال و اولاد اور جاہ و مرتبہ والے کو اس کو حیثیت تیری پکڑ سے نہیں بچا سکتی۔'' یعنی کسی کا مال و دولت ؛ اولاد ؛ قوت و حیثیت ؛ خاندان و جاہ و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ بھی کام نہیں آ سکتا سوائے اس کے کہ جو کوئی نیک اعمال لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات حاصل کر لے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی توفیق پر منحصر ہے۔

اور اس کا یہ بھی معنی کیا گیا ہے کہ کسی انسان کی محنت اور کوشش اور اس کا عمل اسے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا سوائے اس کے کہ تیری رحمت اور فضل اسے فائدہ دیدے؛ اور تو اس کے عمل کو قبول فرمالے۔

فوائدِ حدیث :

1. رکوع سے اٹھتے وقت اس ذکر کی مشروعیت۔
2. جس کو اللہ تعالیٰ نہ دے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔

۳ ہم سب اللہ تعالیٰ کے غلام اور اس کے بندے ہیں۔
۴ انسان کا مال و مرتبہ اور اولاد (عمل صالح کے بغیر) اس کے کچھ کام نہیں آتے۔
۵ انسان کو (اللہ تعالیٰ کے فضل کے بعد) نفع دینے والی چیز نیک اعمال ہیں۔

سجدہ میں دعا کرنے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''بے شک انسان اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے،
پس (اس حالت میں) خوب کثرت کے ساتھ دعا کیا کرو۔''[1]

شرح: ...... یہ حدیث حالت سجدہ میں مخصوص دعاؤں اور اذکار کی فضیلت کے بیان میں وارد ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک انسان اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔'' اس لیے کہ جب انسان سجدہ کرتا ہے تو اپنے سب سے معزز عضو کو لوگوں کے قدموں کی جگہ پر رکھ دیتا ہے۔ اپنے جسم کے سب سے اعلی مقام کو اپنے سب سے ادنی مقام کے برابر لا کر رکھ دیتا ہے۔ یعنی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتے ہوئے وہ اپنے چہرہ کو اپنے پاؤں میں لا کر رکھ دیتا ہے۔ اس لیے اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس حالت میں نبی کریم ﷺ نے کثرت کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس میں انسانی ہئیت اور اس کی زبانی التجاء یک قالب ہوجاتے ہیں۔ انسان حالت سجدہ میں کہتا ہے: ''سبحان ربی الاعلی۔'' یہ دلیل ہے کہ اللہ جل وعلا اپنی ذات وصفات میں بہت ہی عالیشان والا ہے۔ اور انسان اللہ کی نسبت گرا ہوا اور نیچے پڑا ہوا ہے۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ حالت سجدہ میں انسان کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ انسان اس حالت میں

---

[1] مسلم: ٤٨٢.

اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہاء درجہ کے تذلل وخضوع میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں لیے ہوئے، اس کی رحمت سے امید لگائے ہوئے اس کے سامنے اپنی معروضات پیش کر رہا ہوتا ہے۔ جب انسان اپنا چہرہ اور ناک اللہ کی خوشنودی کے لیے زمین پر رکھ دیتا ہے تو اس حالت میں اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ کیونکہ بندہ کے لیے سب سے بڑی قربت کی حالت اللہ تعالیٰ سے تعلق اور صلہ کی حالت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس حالت میں انسان کے اکثر اعضاء زمین پر پڑے ہوتے ہیں بخلاف باقی احوال کے؛ جب انسان کھڑا ہوتا ہے یا رکوع میں ہوتا ہے اور یا پھر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن حالت سجدہ میں کثرت کے ساتھ اور معزز ترین اعضاء زمین پر انسان کا چہرہ، ناک پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں زمین پر ہوتے ہیں۔ انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ ان سات اعضا پر سجدہ کرے۔ اسی لیے نماز پڑھنے کی جگہوں کو مساجد (سجدہ کرنے کے مقامات) کہا گیا ہے، مراکع (رکوع کرنے کے مقامات) نہیں کہا گیا؛ اور ایسے ہی مواقف (کھڑے ہونے کے مقامات) اور جلسہ اور تشہد کی وجہ سے مجالس (بیٹھنے کے مقامات) بھی نہیں کیا گیا۔ بلکہ نماز پڑھنے کی جگہوں کو مساجد کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں انسانی جسم کے اکثر اعضاء زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ حالت سجدہ میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے:

((سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی))

''پاک ہے میرا رب بڑی شان والا۔''

یعنی انسان کے انتہائی خضوع اور تذلل کی حالت میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا وصف بیان کیا گیا جو اس کی عالیشان اور عظمت کے لائق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز سے اعلیٰ ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ سجدہ میں کثرت کے ساتھ دعا کی جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس حالت میں بہت ساری مختلف دعائیں کی جائیں۔

فوائدِ حدیث:

1. اس حدیث میں حالت سجدہ میں کثرت کے ساتھ دعا کرنے کی ترغیب ہے۔
2. انسان اپنے رب اور اس کی رحمت و فضل کے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔
3. یہ حدیث ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو کہتے ہیں سجدہ نماز کا افضل ترین رکن ہے۔

سجدہ کے اذکار

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا، میں نے آپ کو تلاش کیا؛ آپ مسجد میں تھے اور میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوے پر جا پڑا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کھڑے تھے اور آپ فرما رہے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ)) [1]

''اے اللہ میں تیرے غصہ سے تیری خوشی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں تیری حمد وثنا ایسی نہیں کرسکتا جیسی تو نے خود اپنی حمد وثنا بیان کی ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ)) [2]

''یا اللہ! میرے تمام گناہ چھوٹے اور بڑے پہلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ، معاف

---

[1] مسلم: ٤٨٦.　[2] مسلم: ٤٨٣.

فرما دے۔''

شرح: ......ایک رات ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، آپ انہیں تلاش کرنے لگیں۔ اور آپ (اندھیرے کی وجہ سے) اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹٹولنے لگیں ؛ تو آپ کا ہاتھ آپ ﷺ کے پاؤں کے تلوے پر جا پڑا ؛ آپ حالت سجدہ میں تھے۔ یہاں ممکن ہے کہ مسجد سے مراد گھر کے اندر آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ہو۔ اس لیے کہ آپ اکثر اوقات (نفل نماز) اپنے گھر پر پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہو۔ جیسا کہ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے۔

سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے: ''میں نے مسجد میں آپ کو تلاش کیا، تو دیکھا کہ آپ حالت سجدہ میں تھے۔'' اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے گھر کے اندر کی مسجد یعنی مصلیٰ مراد ہے۔

(راوی کا قول کہ) اس حال میں کہ آپ کے قدم کھڑے تھے۔ یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت سجدہ میں انسان کے قدم کھڑے ہونے چاہیں۔

اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ...... ''تیرے غصہ سے تیری خوشی کی پناہ میں آتا ہوں۔'' یعنی تیری رضا کا وسیلہ اختیار کرتا ہوں کہ تو ناراض نہ ہو؛ اور غصہ نہ کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے فعل سے پناہ مانگتا ہوں جس سے مجھ پر یا امت پر تیری ناراضگی یا غضب ہو۔

وَبِمُعَافَاتِكَ: ...... ''اور تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں تیری سزا سے۔'' اس لیے کہ سزا تیری ناراضگی کے اثرات میں سے ایک ہے۔ یہاں پر آثار رحمت کی پناہ اس لیے طلب کی گئی ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ ...... ''اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' یعنی میں تیری صفات کے آثار سے تیری ذات کے جلال کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں تیری صفات جلال سے تیری صفات جمال کی پناہ مانگتا

ہوں۔ یہ سابقہ تفصیل کے بعد اجمال پیش کیا جا رہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جمال کے ساتھ صفات جلال سے پناہ مانگی جارہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو صفات کو چھوڑ کر صرف ذات سے پناہ مانگنا کوئی معنی نہ رکھتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشاہدہ حق اور غائب عن خلق کے باب سے ہے۔ یہ محض ایسی معرفت ہے جس کا احاطہ بندے نہیں کر سکتے۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ:...... ''اور میں تیری حمد وثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا۔'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لفظ 'احصاء' [شمار کرنا] میں اصل کنکریوں پر شمار کرنا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ میری اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں تیری ایسی حمد وثنا بیان کروں جیسے تو اس کا مستحق ہے۔ اور یہ بھی کیا گیا ہے کہ: ''کوئی بھی انسان تیری نعمتوں پر تیری حمد وثناء بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔'' اس جملہ میں حقوق اللہ کے ادا کرنے سے بشریت کے عاجز ہونے کا بیان ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''[اس کا معنی ہے] میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، اور نہ ہی اس کی غایت کو پہنچ سکتا ہوں؛ اور نہ ہی اس کی معرفت کا احاطہ کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شفاعت میں ارشاد فرمایا ہے:

''میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف بیان کروں گا جس کو بیان کرنے کی طاقت اب نہیں رکھتا۔''

اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ:...... ''جیسی تو نے خود اپنی حمد وثنا بیان کی ہے۔''

دوسری حدیث:......دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یوں دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ))

''یا اللہ! میرے تمام گناہ چھوٹے اور بڑے پہلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ، معاف فرما دے''

یہ دعا میں بسط اور وسعت کے باب سے ہے۔ اس لیے کہ دعا کرنا عبادت ہے۔ جب بھی انسان دعا کا تکرار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرتا ہے۔ پھر اس تکرار میں وہ اپنے پوشیدہ اور اعلانیہ؛ چھوٹے اور بڑے گناہوں کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اجمال کے بعد تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے وارد ہونے والی دعاؤں کا اہتمام کیا کرے، کیونکہ یہ دعائیں زیادہ جامع اور نفع بخش ہوتی ہیں۔

فوائدِ حدیث:

1. رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کی فضیلت۔
2. حالت سجدہ میں دعا کرنے کا جواز اور اس کی فضیلت۔
3. حالت سجدہ میں نمازی کے لیے مذکورہ بالا دعا پڑھنے کا مستحب ہونا۔
4. نمازی کے لیے جائز ہے کہ وہ حالت سجدہ میں کوئی بھی وہ دعائیں پڑھا کرے جو کہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔
5. انسان پر واجب ہوتا ہے کہ صحیح احادیث میں وارد دعائیں کرنے کے لیے حرص کرے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کی دعائیں زیادہ فائدہ مند اور جامع ہوتی ہیں۔
6. انسان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھوٹے اور بڑے گناہوں کی معافی مانگے۔

دو سجدوں کے درمیان دُعا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک نبی کریم ﷺ دو سجدوں کے درمیان میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي)) [1]

---

[1] أبو داؤد، ح: ٨٧٤۔ صححه الألباني في المشكاة: ٩٠١.

''اے میرے رب ! مجھے بخش دے، اے میرے رب مجھے معاف کردے۔''

شرح : ......رسول اللہ ﷺ دوسجدوں کے درمیان میں جب بیٹھتے تو دوبار فرمایا کرتے : ((رَبِّ اغْفِرْلِیْ)) ......''اے میرے رب ! میرے گناہ بخش دے۔''

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ ''المغنی'' میں فرماتے ہیں : ''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ انسان دوسجدوں کے درمیان میں یوں کہے :

((رَبِّ اغْفِرْلِیْ، رَبِّ اغْفِرْلِیْ))

''اے میرے رب ! مجھے بخش دے، اے میرے رب مجھے معاف کردے۔''

اس دعا کو کئی بار دھرائے۔ ایک بار یہ دعا پڑھنا واجب ہے۔اور کمال کی ادنی حد اسے تین بار پڑھنا ہے......الخ۔ یہ حدیث دوسجدوں کے درمیانی جلسہ میں مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ یہ دعا صرف نفل نماز کے لیے خاص نہیں، بلکہ فرض اور نفل تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔

فوائدِ حدیث :

1. یہ حدیث دوسجدوں کے درمیانی جلسہ میں مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔
2. ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہنا، اور اس کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے رہنا چاہیے۔

تہجد کی نماز میں رکوع اور سجدہ کی دعائیں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب آپ رکوع کرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے :

((اَللّٰھُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَكَ

سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ))

''اے اللہ ! میں تیرے لیے رکوع کرتا ہوں، اور تجھ پر ایمان لاتا ہوں، اور تیرے لیے تابع فرمان ہوتا ہوں، اور تیرے لیے جھک گئی ہے میری سماعت اور میری بصارت، اور میرا دماغ اور میری ہڈیاں، اور میرے اعصاب۔''

اور جب رکوع سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ))

''اے اللہ اے ہمارے پروردگار! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، اتنی کہ بھر جائے اس سے آسمان اور بھر جائے اس سے زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور بھر جائے ہر وہ چیز جسے تو چاہے اس کے بعد۔''

اور جب سجدہ کرتے تو یہ دعا فرمایا کرتے:

((سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ)) [1]

''سجدہ کیا میرے چہرے نے اُس ذات کو جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس نے اس کے کان اور آنکھ کے سوراخ بنائے اپنی طاقت اور قوت کے ذریعے؛ بہت برکت والا ہے اللہ جو بہترین خالق ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

لَكَ اَسْلَمْتُ: ......تیرے لیے تابع فرماں ہوا، اپنے چہرے کو تیرے لیے خالص کیا۔

خَشَعَ: ......تواضع اختیار کی؛ تیری طرف متوجہ ہوا، سکون پکڑا۔

مُخِّيْ: ......میرا دماغ۔

---

[1] مسلم: ۷۷۱.

عَصَبِيْ :......میرے اعصاب ؛ پٹھے۔

رَفَعَ رَأْسَهُ :......مراد ہے جب رکوع سے سر اٹھاتے۔(مراد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَ کہنے کے بعد)

شـــرح :......اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ رکوع کرتے تو فرماتے: ((اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ)) ...... ''اے اللہ ! میں تیرے لیے رکوع کرتا ہوں، اور تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔'' یعنی تیرے سامنے پست (ذلیل) ہوا، اور اپنے چہرہ کو خالص تیرے لیے کرلیا۔

وَخَشَعَ :......اور تواضع اختیار کی ؛ متوجہ ہوا۔ (عربی زبان میں) ''خشعت الأرض'' اس وقت کہا جاتا ہے جب زمین میں سکون اطمینان پیدا ہو۔

لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ :...... ''تیرے لیے ہے میری سماعت اور میری بصارت۔ان دونوں حواس کو بقیہ اعضا میں سے اس لیے خاص طور پر ذکر کیا کہ اکثر آفات ان دو کی وجہ سے آتی ہے۔ جب یہ دو حواس تواضع اختیار کرلیں تو وسواس کم ہوجاتے ہیں۔

وَمُخِّيْ :...... اور میرا دماغ۔ مخ اصل میں اس مادے کو کہا جاتا ہے جو ہڈی میں ہوتا ہے۔ اور ہر چیز کے نچوڑ اور خلاصے کو بھی ''مخ'' کہا جاتا ہے۔

سَجَدَ وَجْهِيَ : ......میرے چہرہ نے سجدہ کیا؛ فرمانبرداری، اور جھک گیا۔

وَصَوَّرَهُ :...... اور اس کی تصویر بنائی۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ((فَأَحْسَنَ صُوَرَه)) ''پس اس کی بہترین شکل وصورت بنائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ (غافر: ٦٤)

''پس اس نے تمہاری بہترین شکل وصورت بنائی۔''

أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ : ...... ''بہترین پیدا کرنے والا۔ تصویر بنانے والا اور تقدیر

لگانے والا۔'' اس لیے کہ بے شک وہی خالق حقیقی ہے جو پیدا کرنے اور ایجاد کرنے میں اکیلا اور منفرد ہے۔ باقی جو تصویریں پائی جاتی ہیں جن میں تخلیق کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی ؛(جن کے متعلق لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ فلاں کی تخلیق ہے) بس فقط ایک وہم سا ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز اور اس کی صناعت کا خالق ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات : ٩٦)

''حالانکہ تم کو اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو اللہ نے پیدا کیا ہے۔''

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الزمر : ٦٢)

''اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

فوائدِ حدیث :

1. نمازی کے لیے جائز ہے کہ وہ رکوع میں کہے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْض وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ))

''اے اللہ اے ہمارے پروردگار ! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، اتنی کہ بھر جائے اس سے آسمان اور بھر جائے اس سے زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور بھر جائے ہر وہ چیز جسے تو چاہے اس کے بعد۔''

2. اور جب سجدہ کرے تو یوں دعا کرنا بھی جائز ہے:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ.))

''اے اللہ ! میں تیرے لیے سجدہ کرتا ہوں، اور تجھ پر ایمان لاتا ہوں، اور تیرے

لیے تابع فرمان ہوتا ہوں۔سجدہ کیا میرے چہرے نے اُس ذات کو جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس نے اس کے کان اور آنکھ کے سوراخ بنائے اپنی طاقت اور قوت کے ذریعے بہت برکت والا ہے اللہ جو بہترین خالق ہے۔''

رکوع اور سجدہ میں تلاوت قرآن کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آگاہ رہو مجھے رکوع یا سجدہ کرتے ہوئے قرات قرآن سے منع کیا گیا ہے رکوع میں تو اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجود میں دعا کرنے کی کوشش کرو؛ قریب ہے کہ تمہارے لیے یہ دعا قبول کی جائے۔'' [1]

شــــرح: ...... یہ اذکار بعض خاص احوال یعنی حالت رکوع اور سجدہ کے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''آگاہ رہو مجھے رکوع یا سجدہ کرتے ہوئے قرات قرآن سے منع کیا گیا ہے رکوع میں تو اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجود میں دعا کرنے کی کوشش کرو کہ تمہارے لیے قبول کی جائے۔'' یعنی زیادہ قریب ہے کہ تمہاری دعا قبول کر لی جائے۔اس لیے کہ انسان اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھے۔مگر قرآنی دعا بطور دعا پڑھنے کا اختیار ہے۔مثلاً یوں کہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَٰفِرِينَ﴾ (آل عمران : ١٤٧)

''اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں

---

[1] مسلم : ٤٧٩.

کافروں کی قوم پر مدد دے۔''

رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنا حرام ہے۔ رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنی چاہیے یعنی یوں کہے:

((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ الْمَلِكُ الْقُدُّوس))

اور اس طرح کے دیگر اذکار۔ جب کہ سجدہ میں یوں کہے:

((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ))

اس کے علاوہ بھی رکوع اور سجدہ کی جو دعائیں ثابت ہیں ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور کثرت کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کیونکہ یہ دعا قبول ہونے کے مواقع میں سے ایک موقع ہے۔

فوائدِ حدیث :

1. کچھ اذکار ایسے ہیں جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اوقات متعین کیے ہیں۔
2. رکوع اور سجدہ میں قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں۔
3. حالت رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کا وجوب۔
4. حالت سجدہ میں دعا کرنے کا استحباب۔

تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے کی دُعائیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی ایک تشہد میں بیٹھے تو اسے چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے، وہ یوں کہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ

الدَّجَّالِ)) ❶

''اے اللہ! بلاشبہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور عذابِ جہنم سے اور زندگی موت کے فتنے اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یوں کہتے : - اور پھر پوری حدیث ذکر کی - پھر آخر میں تشہد اور سلام کے درمیان یوں کہتے :

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ)) ❷

''اے اللہ ! تو مجھے معاف کردے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اور جو کچھ میں نے چھپ کر کیا اور جو کچھ اعلانیہ کیا جو میں نے زیادتی کی اور جسے تو زیادہ جانتا ہے مجھ سے بھی۔ تو ہی آگے کرنے والا ہے، اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

تشهد:......اس سے مراد نماز میں آخری تشہد ہے۔

الدَّجَّالِ: ......دجال ایک انسان ہوگا جس کا آخری زمانے میں ظہور ہوگا، اور یہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرے گا، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا'' کافر۔''

مَا قَدَّمْتُ:......جو آگے بھیجے ہیں، گناہ۔

وَمَا اَخَّرْتُ:......عبادت میں کمی وکوتاہی۔

وَمَا اَسْرَرْتُ:......جس کو میں نے خفیہ رکھا ہے؛ یا جو میرے دل میں خیال آتے ہیں۔

---

❶ مسلم : ٥٨٨. ❷ مسلم : ٧٧١.

وَمَآ اَعْلَنْتُ:......وہ اقوال وافعال جن کا اظہار بشری کوتاہی کی وجہ سے کیا۔

اَسْرَفْتُ:......حد سے تجاوز کیا۔

شرح: ......یہ دعائیں انتہائی اہم اور عظیم الشان دعاؤں میں سے ہیں۔اس لیے کہ ان میں سب سے بڑے شر اور اس کے اسباب سے پناہ مانگی گئی ہے۔نبی کریم ﷺ ان کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔آپ ﷺ خود بھی یہ دعا کیا کرتے تھے،اور لوگوں کو بھی یہ دعا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔اور اس دعا کے لیے نماز کا آخری حصہ مقرر کیا، اس لیے کہ اس وقت دعا قبول ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

یہ دعا عذاب قبر سے پناہ کی طلب ؛ جہنم کے عذاب سے پناہ، اور دنیا کی شہوات اور شبہات ؛ اور شیطان کی اغوا کاریوں ؛ اور قبر کی آزمائش سے پناہ کی طلب پر مشتمل ہے جو کہ عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک ہے۔اور دجال کے فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے جو کہ لوگوں کے لیے حق کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ جب کہ وہ باطل ہوں گے۔ان میں سب سے بڑا دجال کا فتنہ آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے خفیہ اور ظاہری شر سے ہمیں محفوظ رکھے۔

دوسری حدیث: ......دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ دعا کرتے ہیں کہ: اے اللہ! میری سابقہ لغزشیں بھی معاف کردے؛ اور آنے والی کوتاہیاں بھی۔یعنی مجھ سے جو بھی افراط وتفریط ہوئی ہے۔

علامہ الطیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اس سے مراد یہ ہے کہ جو لغزشیں مجھ سے نبوت سے پہلے ہوئیں، اور جو کچھ نبوت کے بعد ہوا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے : جو کچھ تو نے میرے متعلق بعد میں فیصلہ کر رکھا ہے۔ اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ:''اگر مجھ سے کوئی لغزش مستقبل میں ہوجائے تو تیری مغفرت بھی فوراً ہی اس کے ساتھ ہی حاصل ہوجائے۔تو اس صورت میں مقصود یہ ہوگا کہ کسی معاملہ کے واقع ہونے سے پہلے مغفرت طلب کی جارہی ہے کہ اگر ایسا ہوجائے تو ہمیں

معاف فرمادے۔

مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ : ......مراد تمام گناہ ہیں۔اس لیے کہ گناہ یا تو اعلانیہ ہوتا ہے یا پھر پوشیدہ۔

مَا اَسْرَفْتُ : ......اور جو میں نے حد سے تجاوز کیا۔ اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔اس لیے کہ میں اپنے گناہوں کی تعداد اور ان کے حکم کو نہیں جانتا۔

اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ : ......تو ہی آگے کرنے والا ہے، اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس کو چاہا مقامات سابقین کی طرف توفیق دے کر آگے کر دیا۔اور جس کو چاہا ان کے مراتب سے پیچھے چھوڑ دیا۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اپنے اولیاء میں سے جس کو چاہا اپنے باقی بندوں پر سبقت دی۔اور جن کو چاہا پیچھے چھوڑ دیا۔ پس جن کو وہ پیچھے چھوڑ دے اسے کوئی آگے لانے والا نہیں، اور جس کو وہ آگے کر دے اسے کوئی پیچھے کرنے والا نہیں۔

اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ'' تو ہی اٹھانے والا ہے اور تو ہی گرانے والا ہے۔تو ہی عزت دینے والا ہے اور تو ہی ذلت دینے والا ہے جیسے کہ تیری حکمت کا تقاضا ہو۔

فوائدِ حدیث:

(۱) اس دعا کا آخری تشہد کے آخر میں مستحب ہونا جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے۔

(۲) یہ استعاذہ اہم ترین اور جامع دعاؤں میں سے ہے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اس کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ دعا دنیا اور آخرت کے شرور اور ان کے اسباب سے پناہ مانگنے کو شامل ہے۔اس فضیلت والے موقع پر یہ دعا کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس وقت دعا قبول ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

(۳) عذاب قبر کا ثبوت۔ بے شک عذاب قبر حق ہے۔اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔اس کے بارے میں احادیث بہت ہی مشہور اور وافر تعداد میں موجود ہیں۔

(۴) زندگی میں شبہات اور گناہ کی شہوات سے حفاظت؛ کیونکہ یہی شر کا سبب ہیں۔

۵ بُرائی کی طرف دعوت دینے والوں اور لوگوں کے درمیان الحاد اور فساد پھیلانے والوں کے معاملہ میں بصیرت۔
٦ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء وگریہ وزاری۔
٧ اللہ تعالیٰ سے تمام گناہوں پر مغفرت کی طلب۔
٨ اللہ تعالیٰ ہی عزت اور ذلت دینے والا، گرانے اور اٹھانے والا ہے، وہ اس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی ملکیت ہے۔
٩ یہ دعا آخری تشہد میں سلام سے پہلے پڑھنی چاہیے۔

نماز میں شیطانی وسوسوں سے نجات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا:

''یا رسول اللہ! شیطان میری نماز اور قرات کے درمیان حائل ہوگیا اور مجھ پر نماز میں شبہ ڈالتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے۔ جب تو ایسی بات محسوس کرے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کر اور اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دیا کر۔ پس میں نے ایسے ہی کیا تو شیطان مجھ سے دور ہوگیا۔'' [1]

شرح: ......صحابی کا کہنا: ''بے شک شیطان میری نماز اور قرات کے درمیان حائل ہوگیا اور مجھ پر نماز میں شبہ ڈالتا ہے'' یعنی شیطان نے میرے خیالات کو پراگندہ کردیا ہے، اور مذموم وسواس اور خیالات کی وجہ سے میرے اور نماز میں خشوع وخضوع کے درمیان حائل ہوگیا ہے جس کی وجہ سے نماز کی لذت نہیں مل رہی۔ وہ میرے ذہن میں اختلاط پیدا کرتا ہے اور شکوک وشبہات ڈالتا ہے۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وسوسے ڈالنے والا شیطان–

---

[1] مسلم: ۲۲۰۳.

شیطانوں کا سردار ابلیس نہیں؛ بلکہ ایک دوسرا ہے؛ اس کا نام -خنزب ہے۔

جب یہ شیطان تمہارے ذہن میں کوئی وسوسہ ڈالے تو تمہیں چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دو۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ۔

(صحابی کہتے ہیں) جب میں نے ایسے کیا تو اللہ تعالیٰ نے وسوسے ختم کر دیے۔

فوائدِ حدیث :

۱. شیطان انسان کے ہر نیک عمل میں وسوسے ڈالتا ہے، یہاں تک کہ نماز کو بھی خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
۲. ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے رہنے کی ضرورت۔
۳. نماز میں بغرض ضرورت ہلکا تھوکنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔
۴. انسان جب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہے تو شیطان دور بھاگ جاتا ہے۔

فرض نماز کے بعد اذکار کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس آدمی نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۳ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا تو یہ ۹۹ کلمات ہو گئے اور سو کا عدد پورا کرنے کے لیے ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) کہہ لیا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔“ [1]

سُبْحَانَ اللهِ (۳۳ بار) ”اللہ پاک ہے۔“

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (۳۳ بار) ”سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔“

---

[1] مسلم: ۵۹۷.

اَللّٰهُ اَکْبَرُ (۳۳بار) ''اللہ سب سے بڑا ہے۔''

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے، وہ اکیلا ہے، نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کی ہی بادشاہت ہے اور اسی کے لیے ہی سب تعریف ہے، اور وہی ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔''

شـــرح: ...... یہ حدیث ان اذکار کی تخصیص کرتی ہے جو فرض نمازوں کے بعد کہے جاتے ہیں؛ جیسا کہ اکثر علماء کرام کا قول ہے۔

ذکر تمام اوقات میں ہی مشروع ہے۔ دل سے اللہ کو یاد کرنا واجب ہے اور زبان سے اس کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ اور زبان سے ان مواقع پر ذکر کرنا اور زیادہ متاکد (ضروری) ہو جاتا ہے جن کے بارے میں شارع علیہ السلام سے نص وارد ہوئی ہو۔ یا جن کا ذکر احادیث مبارکہ میں آیا ہو؛ جیسا کہ سونے اور جاگنے کے اذکار؛ گھر میں آنے جانے کے اذکار اور مختلف احوال میں وارد ہونے والے مختلف قسم کے اذکار۔ شریعت میں عمومی طور پر وہ اذکار وارد ہوئے ہیں جن میں روح اور دل کی زندگی ہے۔

اور بعض مخصوص اوقات کے لیے بھی کچھ اذکار مشروع ہیں جو کہ مختلف اوقات میں اور متعین زمانے میں کیے جاتے ہیں جو کہ اس وقت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ بندوں پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور اس کی محبت ہے کہ اس نے ان کے لیے ہمیشہ کے لیے دل و زبان اور جوارح سے اپنے ساتھ رابطے کو آسان کر دیا۔ تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ مانوس ہونے کی نعمت اور اس کی نگہبانی اور اطاعت کی لذت حاصل کر سکے۔ جس کی ایک مثال یہ حدیث ہے۔

جب انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نماز میں وہ دعائیں کر چکا ہے، اب نماز کے بعد کچھ اذکار کرنا چاہتا ہے جس میں بہت سارے قلبی اور ایمانی فوائد

ہیں۔اس لیے کہ انسان نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کیے؛ اس کی عظمت کو پیش نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو دنیا اس پر ٹوٹ پڑتی ہے۔اور وہ دیگر امورِ حیات میں مشغول ہوجاتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان یہ مشروع کیا کہ اس حالت میں جب کہ انسان کا ایمان بلندیوں پر ہوتا ہے؛ کچھ اذکار بجالائے جائیں جو ان احوال کے ساتھ مناسب ہوں۔اور اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان اذکار میں نماز میں شیطانی وسوسوں اور دیگر خیالات کی وجہ سے ہونے والی کوتاہیوں کا ازالہ ہے۔

دوسری احادیث کی طرح یہ حدیث بھی بخشش، اور صغیرہ گناہوں کی مغفرت کی بشارت لیے ہوئے ہے۔ ایسے صغیرہ گناہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔اس حدیث میں بشارت ہے کہ جوکوئی یہ اذکار بجالائے گا اللہ تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہ معاف کردیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

علمائے کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ان اذکار کی فضیلت پانے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں زبان سے اس طرح بول کر ادا کیا جائے کہ انسان خود انہیں سن سکے۔اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ :اس کے لیے زبان سے بولنا ہی کافی ہے اگرچہ وہ خود نہ بھی سن سکے۔لیکن اکثر علماء کرام پہلے قول پر ہیں۔ایسے ہی ان اذکار کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ یہ نماز کے فوری بعد ہوں۔ہاں اگر کبھی انسان فوری طور پر کسی کام میں مشغول ہوجائے اور یہ نیت کرلے کہ جیسے ہی وہ اس کام سے فارغ ہوگا ان اذکار کو بجائے لائے گا؛ لیکن اس کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ یہ فاصلہ زیادہ نہ ہو۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''احادیث مبارکہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا اذکار کا اہتمام نماز کے فوری بعد کیا جائے۔اگر انسان کسی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے مشغول ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔جیسا کہ احادیث میں نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کے بارے میں آیا ہے۔اس طرح کی معمولی تاخیر سے کوئی حرج نہیں۔'' [1]

---

[1] فتح الباری: ۲/۳۲۶.

ایسے ہی علامہ رحیبانی حنبلی رحمہ اللہ "شرح غاية المنتهى" میں فرماتے ہیں: ابن نصر اللہ فرماتے ہیں: "ظاہراً اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اذکار اس وقت کہے جائیں جب انسان نماز کے بعد ابھی اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہو۔ اگر اس نے یہ اذکار کھڑا ہونے کے بعد یا چلتے ہوئے کہہ دیے تو بھی وہ سنت کو پالے گا۔ اس لیے کہ اس کے درمیان کوئی وقفہ نہیں۔ اگر انسان کہیں مشغول ہوگیا، اور جب اسے یاد دلایا گیا تو اس نے یہ اذکار کہہ لیے۔ (ایسے انسان کے لیے) ظاہر یہ ہے کہ وہ اس خاص اجر کو اپنے عذر کی وجہ سے پالیگا، اگر وہ قریب کے وقت میں ہی یہ اذکار بجالائے۔ اور اگر اس نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا، اور پھر کافی دیر کے بعد اسے یاد آیا، تو ظاہر ہے کہ اسے وہ خاص اجر حاصل نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کے لیے مطلق ذکر کا اجر حاصل ہوگا۔" [1]

فوائدِ حدیث:

(۱) پانچ نمازوں کے بعد ذکر کرنے کی فضیلت؛ یہاں تک کہ انہیں دیگر اذکار و اطاعات پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۲) ہمیشہ ذکر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت: اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے تمام اوقات میں قولی، عملی اور قلبی عبادات مشروع کی ہیں۔

(۳) دوسری احادیث میں ثابت اذکار کی بنسبت ان الفاظ کی اہمیت جو کہ حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت۔ کہ اس نے یہ مقرر کیا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اس سے اجر وثواب کی امید کے ساتھ مذکورہ تعداد میں یہ اذکار بجالائے اس کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

---

[1] مطالب اولی النهى: ١/٤٦٨.

نماز کے بعد ذکر و استغفار

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ" کہتے۔اور پھر یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ))

"اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے۔تو بہت بابرکت ہے اے صاحب جلال واکرام۔"

حدیث کے ایک راوی ولید کہتے ہیں: میں نے اوزاعی سے پوچھا: آپ استغفار کیسے کہتے تھے: تو انہوں نے فرمایا:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے تھے۔

شرح:......اس ذکر کا بھی خاص موقع ہے۔نبی کریم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار **اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ** ۔یعنی **اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ** پھر فرماتے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ))

"اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے۔تو بہت بابرکت ہے اے صاحب جلال واکرام۔"

بے شک انسان نماز سے فارغ ہونے کے بعد استغفار اس لیے کرتا ہے کہ اس کی نماز میں کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی ہو تو اس کا ازالہ ہو جائے۔اس کے بعد انسان کہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ :......"اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے۔"یعنی اے اللہ!

میں تیرے بابرکت ناموں میں سے اس عزت والے نام کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں عرض گزاری کرتا ہوں کہ تو میری نماز کو سلامت رکھ تا کہ یہ میرے گناہوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جائے۔ یہ کلمات اس وقت کہے جاتے ہیں جب انسان نماز سے فارغ ہو جائے جیسا کہ امام نووی نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔

[حدیث کے الفاظ] '' تین بار استغفار کرتے۔'' صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ استغفار کیسے (کن الفاظ میں) کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا، آپ فرماتے تھے:

((أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ))

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کم ترین مقدار یہ ہے کہ انسان صرف "اَسْتَغْفِرُ اللّٰه" کہے۔ اور اکمل یہ ہے کہ اس کے ساتھ " العظیم "کا اضافہ کر دے اور یوں کہے:

((أَسْتَغْفِرُ اللّٰهِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ))

استغفار اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حق پورا ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے تدارک کے لیے استغفار مشروع کیا گیا ہے۔ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کو کم سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے ہوئے استغفار کیا۔ عبادت کرنے والے کو چاہیے کہ اس کا بھی یہی حال ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کا خیال رکھے۔ اور اپنے نفس اور عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حقیر جانے۔ اس طرح جب بھی انسان زیادہ عمل کریگا اس کے تضرع [گریہ وزاری] اور استغفار میں بھی زیادتی ہوگی۔ (اس عمل پر) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف کی ہے؛ فرمایا:

﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ○ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾ (الذاریات: ۱۷،۱۸)

''رات کو بہت ہی تھوڑا ہی سوتے تھے۔اور وہ سحر کے وقت استغفار کرتے رہتے تھے۔''

ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ معبودیت کے حق کے ساتھ وفا داری اور وظیفۂ شکر کا قائم کرنا ہے۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا))

''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟''

اور اس لیے بھی تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے اپنی سنتیں فعلاً ایسے بیان کر دیں جیسے آپ نے قولاً بیان فرمائی ہیں تا کہ ان کی اقتداء کی جا سکے۔

❀ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہنے کے بعد یہ دعا پڑھتے :

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ :......جو کہ عیوب اور نقائص سے پاک ہونے کے لیے خاص ہے، تیرے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔

وَمِنْكَ السَّلَامُ :......یعنی سلامتی تیری ہی طرف سے ہے۔جس کو تو چاہے سلامتی سے نواز دے؛ کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا۔

یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ :......اے جلال اور عزت والے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، کسی اور کے لیے ان کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

فوائدِ حدیث :

① انسان کو چاہیے کہ فرض نماز کے بعد تین بار استغفار کرے۔

② اس کے بعد کہنا چاہیے:

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ))

نماز کے بعد توحیدِ الٰہی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ میرے لیے کوئی ایسی حدیث لکھ بھیجو جو تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔'' انہوں نے جواب میں لکھا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جب آپ نماز پوری کر لیتے تو یہ دعا پڑھتے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) [1]

''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے، نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کی بادشاہت ہے اُسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے، اے اللہ! نہیں ہے کوئی روکنے والا اس چیز کو جو تو عطا کرے اور نہیں کوئی دینے والا جس چیز کو تو روک لے اور نہیں فائدہ دے سکتی کسی صاحب حیثیت کو تیرے ہاں اس کی حیثیت۔''

شرح :......اس حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ خبر دے رہے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیر لیتے تو یہ دعا پڑھتے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ:...... کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے علاوہ کائنات میں کوئی بھی معبود ایسا نہیں ہے جو کہ عبادت کا مستحق ہو۔ کائنات میں جن بتوں (یا غیر اللہ) کی پوجا کی جاتی ہے، وہ خود اس عبادت کے مستحق نہیں

---

[1] بخاری: ٨٤٤۔ مسلم: ٥٩٣.

ہیں، اگر چہ ان کے پجاریوں نے ان کو بھی معبود کا نام دے رکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ معبود نہیں، بلکہ یہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ﴾ (یوسف : ٤٠)

''تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ نرے نام ہیں (جن کی حقیقت کچھ نہیں) جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو ان کے پوجنے کی کوئی سند نہیں اتاری۔''

پس سچا معبود تو صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگلے جملہ میں اس کی تاکید آ رہی ہے:

وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ:...... یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے کہ وحدانیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اس کے ساتھ معبود برحق ہونے میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ:...... اسی کے لیے مطلق و عام بادشاہی ہے، جو کہ ہر ایک چیز کو شامل ہے۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اس سب کا بادشاہ ہے۔ وہ انسانوں ؛ حیوانوں، شجر و حجر، بحر و بر، سمندر و نہر ؛ ملائکہ ؛ شمس و قمر اور دیگر ہر ایک چیز کا مطلق بادشاہ ہے خواہ ہم اس چیز کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ ملکیت اسی کی ہے وہ جیسے چاہے اس میں تصرف کرے، اور اپنی حکمت کے مطابق اس میں فیصلے کرے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ:...... اسی کے لیے تعریف ہے۔ یعنی ہر حال میں کمال مطلق اسے ہی حاصل ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر حال میں قابل تعریف اور لائق صد ستائش ہے، تنگی اور وسعت میں، دکھ اور خوشی میں۔ پس انسان خوشی اور وسعت کی حالت میں اپنے رب کی ایسی تعریف بیان کرتا ہے جس میں اس کا شکر بھی ہے۔ جب کہ تنگی اور پریشانی کے عالم میں جب اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے تو ایسی حمد ہوتی ہے جس میں اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد

کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو چیز انسان کو تکلیف دیتی ہے، کبھی انسان کے لیے اس کی مصلحت ظاہر نہیں ہوتی؛ مگر اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہوتا ہے۔ پس اس لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی خوش کن خبر ملتی تو آپ فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ))

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی نعمتوں سے نیک اعمال پورے ہوتے ہیں۔''

اور جب کوئی ایسی خبر ملتی جس سے آپ کو کوئی خوشی نہ ہو تو آپ فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ))

''ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تعریف ہے۔''

بعض لوگ جو عجیب قسم کی دعا کرتے ہیں کہ:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یُحْمَدُ عَلٰی مَكْرُوْهٍ سِوَاهُ))

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ مکروہ چیز پر جس کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں کی جاتی۔''

یہ ایک ایسا غلط کلمہ ہے جو کہیں بھی وارد نہیں ہوا؛ اور اس کا معنی بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہا جاتا ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ))

''ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تعریف ہے۔''

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ :...... : ......اے اللہ! نہیں ہے کوئی روکنے والا اس چیز کو جو تو عطا کرے اور نہیں کوئی دینے والا جس چیز کو تو روک لے اور نہیں فائدہ دے سکتی کسی صاحب

حیثیت کو تیرے ہاں اس کی حیثیت۔''

اس دعا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض ہے۔ اس لیے کہ جسے وہ دے اس میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے وہ کوئی آپ سے روک نہیں سکتا، اور جو کچھ آپ کو نہیں ملا، وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی آپ کو دے نہیں سکتا۔ اسی لیے فرمایا:

((لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ)) جس چیز کو تو روک لے، اس کا کوئی دینے والا نہیں۔''

جب ہم اس دعا پر سچا ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کس سے مانگیں گے؟

ہاں جب اس دعا پر ایمان درست ہو تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں مانگ سکتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دینے والا ہی نہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے کیسے مانگیں گے؟ اور ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ہم کسی کو کوئی چیز دیتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی اس کی تقدیر میں لکھ رکھی ہے۔ اصل میں دینے والا صرف اللہ ہے، اور یہ ظاہر میں جو کوئی ہے وہ فقط سبب ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جو کوئی ہمارے ساتھ بھلائی کرے ہم اس کا شکر ادا کریں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے اچھا بدلہ دو۔ اور اگر تمہارے پاس بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرو یہاں تک کہ تم یہ سمجھنے لگ جاؤ کہ تم نے اس کا بدلہ دیدیا ہے۔''

لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حقیقت میں جس نے ہمیں اس انعام سے نوازا ہے، اور اس کا حصول ہمارے لیے آسان کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ: ......''نہ نفع دے گی کسی صاحب حیثیت کو تیرے ہاں اس کی حیثیت'' لفظ ''جـــــد'' کا معنی ہے تونگر، غنی؛ صاحب حیثیت۔ یعنی ایسا صاحب حیثیت انسان جس کے پاس مال و دولت ہو، بیٹے ہوں، بیویاں ہوں، اور دنیا کی ہر ایک پسندیدہ چیز ہو، تو پھر بھی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ بھی کام نہیں آسکتیں۔ اس لیے

کہ زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔آپ کتنے ہی انسانوں کو دیکھتے ہوں گے کہ ان کے پاس مال واولاد، بیٹے اور بیٹیاں اور دنیا کی ہر نعمت موجود ہوتی ہے، مگر وہ خود کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوتا ہے جس میں اس کے یہ مال و دولت اور عزیز واقارب اسے اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہیں آتے۔ اس وجہ سے اسے وہ غم و پریشانی لاحق ہوتی ہے جس کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یہ تمام (اپنے معاملات کی) اللہ کی طرف تفویض ہے۔ پس اس لیے مناسب ہے کہ جب انسان نماز سے فارغ ہو تو تین بار استغفار کرے، اور پھر کہے :

((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ))

اور اس کے بعد یہ مذکورہ بالا دعا پڑھنی چاہیے۔

نماز کے بعد اذکار میں ترتیب واجب نہیں ہے۔ اگر بعض اذکار کو بعض پر مقدم یا مؤخر کر دیا تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے کہ تین بار استغفار سے ابتداء کی جائے، پھر اس کے بعد ((اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ)) پڑھا جائے، اور اس کے بعد احادیث میں وارد اذکار بجالائے جائیں۔

فوائدِ حدیث:

1. نماز کے بعد ذکر الٰہی کی مشروعیت۔
2. اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی معرفت۔
3. اس بات کی معرفت کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا ہے ؛ وہی نفع دینے والا اور وہی نقصان دینے والا ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت معاذ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

''اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں؛ اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔'' پھر فرمایا: اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ نماز کے بعد یہ کلمات کہنے کبھی بھی نہ بھولنا:

((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) [1]

''یااللہ! تو میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے اپنا شکر کرنے اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے پر''

شرح: ...... یہ حدیث اس مذکورہ بالا دعا کو نمازِ فرض کے بعد مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن نماز کے بعد سے کیا مراد ہے؟ اس کا احتمال بھی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے قبل (یعنی تشہد کے آخر میں) یہ دعا پڑھی جاتی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دعا سلام کے بعد کے لیے ہو۔ اس لیے کہ بعد کا لفظ آخر کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور آخر سے ملے ہوئے کے لیے بھی۔

نماز کے آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔ سلام سے پہلے اور بعد کی دعائیں آخری شمار ہوں گی۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ یہ دعا سلام کے بعد ہو یا سلام سے پہلے ہو۔

(عربی کا لفظ ''دبر'' جس کا ترجمہ بعد سے کیا گیا ہے؛ اس کا ترجمہ آخر بھی ہے۔)

جب بعد کا لفظ بولا جائے تو اس کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ اگر یہ لفظ دعا کے ساتھ استعمال ہوا ہے تو یہ سلام سے پہلے کے لیے ہے۔ اور اگر یہ لفظ اذکار کے ساتھ استعمال ہوا ہے تو یہ سلام پھیرنے کے بعد کے لیے ہے۔ کیونکہ تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے کو بھی ''دبر الصلاۃ''

---

[1] صحیح سنن ابی داؤد: ۱۳۶۲.

یعنی نماز کا بعد کہا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((دُبُرُ الشَّيْئِ مِنَ الشَّيْئِ))

''کسی چیز کا بعد (آخر) بھی اسی میں سے ہوتا ہے۔''

جیسا کہ کہا جاتا ہے:

''حیوان کا دبر'' یعنی اس کا آخری پچھلا حصہ۔''

جیسے سلام پھیرنے کے بعد کی دعاؤں میں آتا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتَ))

''اے اللہ! تو مجھے معاف کردے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اور جو کچھ میں نے چھپ کر کیا اور جو کچھ اعلانیہ کیا۔''

اس حدیث میں نماز ختم کرنے کے بعد کی دعا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کی کچھ دعائیں نماز ختم کرنے سے پہلے کی ہیں، اور کچھ دعائیں نماز ختم کرنے کے بعد کی ہیں۔ لفظ ''دبر'' نماز ختم کرنے کے بعد اور ختم کرنے سے پہلے سب کو شامل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا: اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس محبت کا اقرار کرنا اور اس پر حلف اٹھانا یہ حقیقت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اس عمل کی طرف رہنمائی فرمائی۔

یہ دعا کرنا جس میں اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ اپنا ذکر کرنے، اپنا شکر بجالانے اور اچھے طریقہ سے عبادت کرنے پر اسکی مدد فرمائے؛ اس میں اس محبت کی پختگی اور اس کی بقاء ہے۔

حدیث کے الفاظ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا......'' یعنی جناب معاذ بن

جبل رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، ایسا کرنے سے انس بڑھ جاتا ہے۔ اوراس کے ساتھ ہی انسان ذہنی طور پر اچھی طرح سے وہ بات سننے کے لیے تیار ہوجاتا ہے جو اس سے کہی جارہی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا: اے معاذ ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس محبت کا اقرار کرنا اوراس پر حلف اٹھانا یہ حقیقت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ محبت کے لیے قسم اٹھائی۔ اور محبوب ہمیشہ اپنے حبیب کے لیے اچھی چیز ہی ذخیرہ کرکے رکھتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اس لیے اٹھائی تاکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کی بات سننے کے لیے پوری طرح سے تیار ہوجائیں۔

پھر آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: نماز کے بعد یہ کلمات کہنے کبھی نہ بھولنا:

((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''یااللہ! تو میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے اپنا شکر کرنے اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے پر''

مراد نماز کے آخر میں سلام سے پہلے دعا کرنا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد والی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر جو مرضی چاہے دعا اختیار کرے۔''

جب کہ ذکر کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِكُمْ﴾ (النساء: ۱۰۳)

''پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے رہو۔''

اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ:...... ''تو میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے پر'' ذکر سے مراد ہر وہ قول ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہو۔ ہر وہ چیز جو اللہ کے قریب کرنے والی ہو۔ ہر وہ سوچ جو اللہ کے قریب کرنے والی ہو؛ وہ اللہ کے ذکر میں سے ہے۔

وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ :...... ''اور اپنا شکر کرنے پر'' یعنی نعمتوں کا حصول اور برائی سے بچنا بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ پس کتنی ہی برائیوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا ہے، اس پر بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنا شکر ادا کرنے پر اور بہترین طریقہ سے اپنی عبادت کے بجا لانے پر ہماری مدد فرمائے۔

اور بہترین عبادت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس میں دو چیزیں نہ پائی جائیں:

❀ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص۔ اخلاص جتنا مضبوط ہوگا عبادت اتنی ہی اچھی ہوگی۔

❀ رسول اللہ ﷺ کی اتباع۔

فوائدِ حدیث:

1. نمازوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے کہ وہ اپنا ذکر کرنے اور اپنا شکر بجالانے پر ہماری مدد فرمائے۔
2. نبی کریم ﷺ کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے محبت۔

نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تو یوں کہتے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ)) [1]

''اے اللہ! تو مجھے معاف کردے جو کچھ میں نے پہلے کیا؛ اور جو کچھ بعد میں

---

[1] مسلم: ٧٧١.

کیا؛ اور جو کچھ میں نے چھپ کر کیا؛ اور جو کچھ اعلانیہ کیا؛ جو میں نے زیادتی کی؛ اور جسے تو زیادہ جانتا ہے مجھ سے بھی۔ تو ہی آگے کرنے والا ہے، اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا۔‘‘

مشکل الفاظ کے معانی:

مَا قَدَّمْتُ: ......جو آگے بھیجے ہیں؛ اس وقت سے پہلے۔ (مراد گناہ یا لغزشیں ہیں)۔

وَ مَا اَخَّرْتُ: ......یعنی جو کچھ میں کروں گا، یا جو کچھ میں نے کیا ہے اور جو کچھ چھوڑا ہے۔

وَ مَا اَسْرَفْتُ: ......جس کو میں نے خفیہ رکھا ہے؛ یا جو میرے دل میں خیال آتے ہیں۔

وَمَا اَعْلَنْتُ: ......وہ اقوال و افعال جن کا اظہار بشری کوتاہی کی وجہ سے کیا۔

شرح: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ: ......اے اللہ مجھے بخش دے۔ آپ ﷺ بخشے ہوئے ہونے کے باوجود یہ دعا کیا کرتے تھے۔ آپ کا ایسا کرنا یا تو اپنی کسر نفسی، تواضع اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور ہیبت کی وجہ سے تھا۔ یا پھر اپنی امت کو تعلیم دینے کے لیے تاکہ آپ کی اقتدا کی جا سکے۔

وَ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ: ......جس کو میں نے خفیہ رکھا ہے؛ یا جو میرے دل میں خیال آتے ہیں لیکن انہیں میں اپنی زبان پر نہیں لایا۔

وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ: ......اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہے۔

اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ: ......تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اس میں رسول اللہ ﷺ کا اپنی ذات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ آخرت میں دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے۔ مگر دنیا میں بعثت کے وقت سب سے آخر میں مبعوث ہوئے ہیں۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اس سے مراد ہے: چیزوں کو اپنی جگہ پر نازل

کرنے والا؛ جس کو چاہے آگے کردے، اور جس کو چاہے پیچھے کردے۔ جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلیل کردے۔ اور جس نے بندوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''یہ اوّل وآخر کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ ہر متقدم دوسرے متقدم سے پہلے ہے۔ اور ہر بعد میں آنے والا اپنے پہلے والے سے بعد میں ہے۔ اس طرح اس کا یہ معنی بھی ہوگا کہ تو ہی ہدایت دینے والا ہے اور تو ہی گمراہ کرنے والا ہے۔ تو جس کو چاہے اپنی اطاعت و عبادت اور شکر گزاری کے لیے آگے کردے اور جس کو چاہے بدبختی اور گمراہی کے لیے پیچھے کردے۔''

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات میں سے ہے۔ اس لیے قیمتی الفاظ اشارہ کرتے ہیں کہ جواہر کا وجود اور ان کی قدر و قیمت ان کی وجہ سے ہے۔'' اور نور سے اشارہ ہے کہ اعراض (نور و ظلمات) بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اور ملک سے اشارہ کہ وہ ان سب کو وجود میں لانے اور ختم کرنے پر حاکم ہے۔ وہ جیسے چاہے ویسے کرتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر نعمت ہے۔ اس لیے ان تمام امور کو حمد سے ملا کر بیان کیا، اور حمد کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کردیا۔

فوائدِ حدیث:

1. نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس دعا کی مشروعیت۔
2. ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی طلب۔
3. اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ ہی کوئی تمام گناہوں کو جانتا ہے اور نہ ہی ان کا بخشنے والا ہے۔

نماز کے بعد قرآن میں سے کیا پڑھے؟

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: ''میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں۔'' [1]

[1] أخرجه النسائی وصححه الألباني في صحيح سنن النسائی (١٣٣٦)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس انسان نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی۔'' [1]

شرح : ......حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھا کروں۔ یہ حدیث نماز کے بعد ان سورتوں کے پڑھے جانے کی دلیل ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الکرسی کی فضیلت اور ہر نماز کے بعد اس کے پڑھے جانے کا اجر وثواب بیان کرتے ہوئے بتایا کہ یہ اعمال کرنے والا انسان جنت میں داخل ہونے کے قریب تر ہوتا ہے؛ مگر جنت میں داخل ہونے کی راہ میں موت رکاوٹ ہوتی ہے۔ (جیسے ہی موت کا یہ پردہ اٹھ جائے گا، یہ انسان جنت میں داخل ہوجائے گا۔)

فوائدِ حدیث :

1. نماز کے بعد معوّذات پڑھنے کی مشروعیت (اور فضیلت)۔
2. نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے جانے کی مشروعیت۔
3. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام اور امت سے محبت اوران کے جنت میں داخل ہونے کی حرص۔

نمازوں کے بعد تسبیح بیان کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس آدمی نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ **سُبْحَانَ اللّٰهِ** ۳۳ مرتبہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** اور ۳۳ مرتبہ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہا تو یہ ۹۹ کلمات ہو گئے اور سو کا عدد پورا کرنے کے لیے ((**لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**)) کہہ لیا تو اس کے سارے گناہ معاف

---

[1] أخرجه النسائي في الكبرى (٩٩٢٨) و صححه الألباني في صحيح الترغيب و الترهيب (١٥٩٥)

کر دیے جائیں گے چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔'' [1]

شرح:

سُبْحَانَ اللّٰهِ (۳۳بار) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (۳۳بار)

اَللّٰهُ اَكْبَرُ (۳۳بار)

ان کی کل تعداد ننانوے بنتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی ارشاد فرمایا ہے تاکہ عدد کی گنتی یقینی ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مانند ہے:

﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ (البقرة : ١٩٦) ''یہ ہیں پورے دس۔''

''یہ عدد اللہ تعالیٰ نے تین اور سات (روزے) ذکر کرنے کے بعد فرمایا؛ تاکہ اس گنتی کی تاکید اس لفظ پر مرتب ہو۔''

پھر اس ننانوے کے بعد ایک بار ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ))...... ''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔'' پڑھ کر سو کی تعداد پوری کر لے۔

اس روایت کے آخر میں ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) کا ذکر کرنا ان بہت ساری روایات کے خلاف ہے جن میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ کو ۳۴ بار ذکر کر کے سو کی تعداد کو پورا کیا گیا ہے۔ ان روایات کی روشنی میں سو کی تعداد اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے لفظ سے پوری ہوگی۔ علامہ نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان دونوں روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق اسی صورت میں ممکن ہے کہ چونتیس بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر پھر ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) بھی کہہ لیا جائے......الخ۔

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ: ''ان روایات کے مابین جمع و تطبیق ایسے ممکن ہے کہ کبھی چونتیس بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ لیا جائے۔ اور کبھی ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) کہہ لیا جائے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔

وَحْدَهٗ: ...... وہ اپنی ذات میں بالکل اکیلا اور منفرد ہے۔

---

[1] مسلم: ٥٩٧.

لَا شَرِيْكَ لَهٗ : ......اس کا کوئی شریک نہیں۔ یعنی نقلاً وعقلاً اس کی ذات اور صفات اور اس کے افعال میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔

لَهُ الْمُلْكُ : ......اسی کے لیے بادشاہی (ملکیت) ہے۔ یعنی تمام اصناف کی مخلوقات صرف اور صرف اس کے لیے ہیں، کسی اور کے لیے نہیں۔

وَلَهُ الْحَمْدُ : ......اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ وہی تعریف کرنے والوں کا قدر دان اور خود قابل تعریف ہے۔

''اس کی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں'' یہ جزاء اس انسان کے لیے ہے جو تسبیح وتکبیر اور تحمید کی اس شرط کو پورا کرے۔ یہاں پر خطاء سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد کبیرہ گناہوں کی مغفرت ہو۔

''اگرچہ یہ گناہ......'' یعنی خواہ یہ گناہ کثرت تعداد میں سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

فوائدِ حدیث :

① نمازوں کے بعد **سُبْحَانَ اللّٰهِ**، **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**، اور **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہنے کی مشروعیت۔

② ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

③ ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اس لیے کہ آپ نے جس کام کا بھی حکم دیا ہے اس میں امت کے لیے اصلاح اور بہتری ہے۔

④ جو انسان ۳۳ بار **سُبْحَانَ اللّٰهِ** کہے، اور ۳۳ بار **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** کہے، اور ۳۳ بار **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہے؛ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے، اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

نماز چاشت کے بعد کے اذکار

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز پڑھی، اور پھر یہ دعا کرنے لگے:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ))

''یا اللہ! مجھے بخش دے، اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

یہاں تک کہ آپ نے یہ کلمات سو بار کہے۔'' [1]

شرح: ...... گناہوں سے عام مغفرت کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم: ...... توبہ کرنے والے کے لیے مغفرت جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ (الزمر: ٥٣، ٥٤)

''(اے پیغمبر) کہہ دیجیے: ''میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا! اللہ کی مہربانی سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ سب گناہوں کو (شرک کے سوا) بخش دیتا ہے بے شک وہی (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔ اور تم پر عذاب آنے سے پہلے تم اپنے مالک کی طرف رجوع کرلو اور اس کی فرمانبرداری کرو (عذاب آئے بعد) پھر کوئی تمھاری مدد نہ کر سکے گا۔''

اس آیت کا سیاق وسباق ہمارے لیے واضح کرتا ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے

---

[1] صحیح الأدب المفرد: ٦١٩.

مایوس نہیں ہونا چاہیے خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل کے سامنے کوئی گناہ ایسا بڑا نہیں کہ وہ اپنے بندے کے ان گناہوں کو معاف نہ کرے۔اس عموم میں شرک اور دوسرے گناہ شامل ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کا شرک بھی معاف کردیتے ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مغفرت کے بارے میں یہ انتہائی جامع قول ہے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنے والے کے لیے مغفرت ہے۔جیسا کہ قرآن اس پر دلالت کرتا ہے۔جمہور اہل علم کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ اگرچہ لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بعض گناہوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔جیسا کہ بعض کا کہنا ہے کہ:''بدعت کی طرف دعوت دینے والے کی توبہ باطن میں قبول نہیں ہوتی۔اس کی دلیل بنی اسرائیلی شخص کے قصہ والی حدیث ہے؛ جس میں ہے:''تو ان لوگوں کا کیا ہوگا جن کو تو نے گمراہ کیا ؟'' یہ بات غلط ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی کی سنت میں یہ واضح کردیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئمہ کفر کی توبہ بھی قبول فرماتے ہیں، جو کہ آئمہ بدعت سے بڑھ کر گمراہ ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ (البروج : ۱۰)

''بے شک جن لوگوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ناحق ستایا پھر انھوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے (آخرت میں) اور جلنے کا عذاب۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اس مہربانی کی طرف دیکھیں۔جنہوں نے اس کے دوستوں کو عذاب دیا اور انہیں آزمائش میں ڈالا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ایسے ہی قتل کرنے والے کی توبہ بھی ہے......الخ۔''

دوسری قسم :......مغفرت عذاب کم ہونے کے معنی میں؛ یا عذاب کو ایک مقررہ

وقت تک ٹال دینے کے معنی میں۔ یہ عام اور مطلق ہے۔اس لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے لیے شفاعت کی؛ حالانکہ ان کی موت شرک پر ہوئی تھی۔انہیں آگ کی وادی سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا، جہاں پر انہیں آگ کی جوتی پہنائی گئی ہے؛ جس سے ان کا دماغ کھول رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''اگر میں نہ ہوتا، تو وہ (ابو طالب) آگ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوتے۔'' اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ (فاطر: ٤٥)

''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کاموں پر فوراً پکڑ لیا کرے (سزا دے) تو زمین پر ایک جاندار بھی باقی نہ چھوڑے مگر اللہ تعالیٰ ایک مقرر وقت (قیامت) تک ان کو ڈھیل دیتا ہے جب ان کا وقت (موت کا یا قیامت) آن پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

بے شک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے جو کہ ہماری توبہ قبول فرماتا ہے۔

فوائدِ حدیث:

١. چاشت کی نماز کے بعد اس ذکر کی مشروعیت۔
٢. جب بھی انسان اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور معافی مانگے تو اللہ معاف کرتا ہے۔
٣. ہمیں توبہ و استغفار کرنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جن کے اگلی اور پچھلی لغزشوں کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر دی تھی، وہ بھی اللہ کی بارگاہ میں کثرت کے ساتھ توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔

سفر کے اذکار

سواری پر سوار ہونے کی دُعا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے سوار ہونے کے لیے سواری لائی گئی۔ جب انہوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا بِسْمِ اللّٰہِ......الخ پھر جب اس پر بیٹھ گئے تو پھر کہا:

((بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ))

''اللہ کے نام سے، ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے تابع کر دیا؛ ورنہ نہیں تھے ہم اسے قابو میں لا سکنے والے۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ہی واپس جانے والے ہیں۔سب تعریف اللہ کے لیے ہے،سب تعریف اللہ کے لیے ہے،سب تعریف اللہ کے لیے ہے، اللہ سب سے بڑا ہے،اللہ سب سے بڑا ہے،اللہ سب سے بڑا ہے،تو پاک ہے اے اللہ! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، پس تو معاف فرما دے مجھے، بے شک نہیں معاف کر سکتا گناہوں کو سوائے تیرے۔''

''پھر ہنسنے لگے۔ میں نے پوچھا امیر المومنین! آپ کس بات پر ہنسے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جیسا کہ میں نے کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے تو میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے کس بات پر تبسم فرمایا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' تیرے رب کو اپنے بندے کا یہ کہنا بہت پسند ہے کہ'' اے رب! مجھے معاف کر دے کیونکہ تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔'' [1]

شرح : ......اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری کی رکاب پر اپنا پاؤں رکھنے لگے تو **بِسْمِ اللّٰهِ** کہا۔ اور جب سواری کی پیٹھ پر بیٹھ گئے تو ((**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ**)) کہا۔ یعنی سواری کی اس نعمت، اور دیگر نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا﴾

''پاک ہے وہ ذات جس نے تابع کر دیا ہمارے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے پست کر دیا۔

وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ :...... ''ورنہ نہیں تھے ہم اسے قابو میں لا سکنے والے۔'' ہم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہم اسے مسخر کرسکیں۔ اور اسے اپنے استعمال میں لاسکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے مسخر نہ کرتے۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ :...... ''اور ہم مرنے کے بعد اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور ہمارا بڑا سفر اسی کی طرف ہوگا۔

پھر اس کے بعد آپ نے تین بار **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** کہا۔ پھر تین بار **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہا۔ پھر آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہنسنے لگے۔ انہوں نے بھی ایسے ہی کیا تھا جیسے راوی نے کیا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:'' میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] صحیح سنن الترمذي: ٣٤٤٦.

بھی ایسے ہی کیا تھا جیسے میں نے کیا تھا۔" یعنی آپ ﷺ بھی ہنسے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تیرے رب کو اپنے بندے کا یہ کہنا بہت پسند ہے کہ "اے رب مجھے معاف کر دے۔"

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اچھی لگتی ہے اور اس پر خوش ہوتے ہیں۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوتے ہیں، اور ثواب عطا کرتے ہیں۔ اس کے لیے مجازاً تعجب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر عجب کا اطلاق مجازاً کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر اشیاء کے اسباب مخفی نہیں ہیں۔ اور تعجب اس چیز پر ہوتا ہے جس کا سبب مخفی ہو، اور اس کے بارے میں علم نہ ہو سکے۔

فوائدِ حدیث :

① جانور پر سوار ہوتے وقت اس ذکر کی مشروعیت۔

② ہمیں چاہیے کہ ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں خواہ وہ کتنی کم ہی کیوں نہ ہو۔

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا فعل خواہ جیسا بھی ہو، اس میں تبدیلی نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کی مسکراہٹ اور تبسم کو بھی ویسے ہی محفوظ رکھا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔

مسافر کے لیے کیا دعا کی جائے؟

حضرت قزعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کسی ضرورت کے لیے بھیجا اور فرمایا: آؤ میں تمہیں ایسے الوداع کردوں جیسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ضرورت کے لیے روانہ کرتے ہوئے مجھے الوداع کیا تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

((أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ)) [1]

''میں سپرد کرتا ہوں اللہ کے تمہارے دین کو اور تمہاری امانت کو اور تمہارے آخری عمل کو۔''

شرح : ...... یہ دعائیہ کلمات الوداع کے وقت کہے جاتے ہیں۔ یعنی جب مسافر سفر کرنا چاہتا ہے اور اس کے اہل خانہ یا کوئی دیگر انسان اسے الوداع کہنا چاہے تو وہ یہ دعا پڑھے:

((أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ))

''میں سپرد کرتا ہوں اللہ کے تمہارے دین کو اور تمہاری امانت کو اور تمہارے آخری عمل کو۔''

أَسْتَوْدِعُ اللهَ : ...... ''میں سپرد کرتا ہوں اللہ کے۔'' یعنی یہ امانت اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہی اس کا محافظ اور کارساز ہوگا۔ اس طرح سے کہ وہ اللہ کی حفاظت میں محفوظ رہے گا۔

دِيْنَكَ : ...... ''تیرا دین۔'' سب سے پہلے دین سے شروع کیا۔ اس لیے کہ دین سب سے اہم ترین اور بنیادی چیز ہے۔ انسان کے لیے ہر قسم کی سعادت اور بھلائی کا حصول دین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بغیر دین کے اس میں کوئی خیر نہیں پائی جاتی۔

یہاں پر دین کے ذکر کرنے کا کیا مقصد ہے؟ بعض علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: ''اس لیے کہ سفر میں تھکاوٹ اور تنگی کی وجہ سے دین کے بعض اعمال چھوٹ جاتے ہیں اور بعض عبادات میں کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔ پس اس موقع پر سوال کیا جا رہا ہے کہ اس کا دین محفوظ رہے، اور اس سے کوئی کمی و کوتاہی واقع نہ ہونے پائے۔ سفر؛ تھکاوٹ اور تنگی کی وجہ سے دین کے واجبات میں سے کوئی واجب اس سے نہ چھوٹے۔

وَأَمَانَتَكَ : ...... ''اور تیری امانت'' یعنی ہر وہ چیز جو اس کے پاس امانت ہے، خواہ

---

[1] الصحيحة : ١٤.

وہ اللہ کے لیے ہو یا لوگوں کے لیے؛ خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے؛ یا اس کے پاس موجود لوگوں کی امانات سے۔ یہ تمام چیزیں امانت میں داخل ہیں۔

وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ : ......''اور تیرا آخری عمل۔'' یعنی اس کا خاتمہ خیر پر ہو۔ اور تیرے اعمال کی انتہاء خیر کے ساتھ ہو۔

فوائدِ حدیث:

① مسافر کے لیے اس دعا کی مشروعیت؛ اور اسکے لیے نصیحت تا کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔

② مسافر کے لیے (بوقت الوداع) اس دعا کا استحباب۔

③ دینی اور دنیاوی امانت پر حفاظت کی ضرورت؛ خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے یا لوگوں کے ساتھ معاملات سے۔

مسافر کے لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سفر کرنا چاہتا ہوں، مجھے وصیت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کے تقوی کو لازم کرلو، اور ہر اونچائی چڑھتے ہوئے تکبیر (اَللّٰـــہُ اَکْبَرُ) کہو۔'' جب وہ آدمی واپس جانے کے لیے پلٹا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ، وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ)) [1]

''اے اللہ! اس کی دوریوں کو سمیٹ لے، اور اس پر سفر کو آسان کر دے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ:......تقوی کو لازم پکڑ، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور اس کی نافرمانی سے بچ کر رہو۔

---

[1] صحيح سنن الترمذي : ٣٤٤٥.

وَالتَّكْبِيْر :......یعنی اللہ أکبر کہنا۔

هَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ : ......یعنی امور سفر، اور اس کی مشقتیں آسان کر دے۔

شــرح : ......(اس حدیث میں ہے) تقوی کو اس کی تمام اقسام کے ساتھ ہمیشہ کے لیے لازم پکڑنا چاہیے۔ بے شک یہی وہ وصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو کی ہے؛ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾

''اور ہم نے ان لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ کو) اور خود تم کو بھی یہ وصیت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔''

اس حدیث میں اونچائی پر چڑھتے ہوئے اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی مناسبت یہ ہے کہ انسان کے نفس میں اونچائی محبوب و مرغوب ہوتی ہے۔ پس جس کسی کا ایسی حالت سے واسطہ پڑے تو اس کے حق میں مشروع یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی بڑائی و بزرگی بیان کرے، اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے) کہے۔ یہ تکبیر بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید نعمتیں ملیں گی۔

''جب وہ آدمی واپس جانے کے لیے پلٹا......'' تو رسول اللہ ﷺ نے پیٹھ کے پیچھے اس کے لیے دعا کی۔ اس لیے کہ ایسی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ دعا یہ تھی:

اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ:...... اے اللہ! اس کی دوریوں کو سمیٹ دے۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی مسافت کو قریب کر دے، اور اسکے سفر کو آسان کر دے تا کہ اس پر سفر طویل نہ ہو۔ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! سفر کی مسافت کو حسی یا معنوی طور پر قریب کر کے اس انسان سے سفر کی مشقت ختم کر دے۔

فوائدِ حدیث:

① سفر کرنے والے کے لیے اس دعا کا مشروع ہونا۔

② نبی کریم ﷺ کی صحابہ کرام سے محبت اور پیٹھ کے پیچھے ان کے لیے دعا۔

③ چڑھائی یا اونچائی پر چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہنے کی مشروعیت۔

④ اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہر مسافر کے لیے زادِ راہ ہے۔

سفر کے وقت کی دعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ جب سفر کے ارادہ سے سواری کی پیٹھ پر بیٹھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے:

(([اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ] ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ، اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ)) [1]

''[اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے] پاک ہے وہ ذات جس نے تابع کر دیا ہمارے، اسے ورنہ نہیں تھے ہم اسے قابو میں لا سکنے والے۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ہی واپس جانے والے ہیں۔

---

[1] مسلم: ۱۳۴۲.

اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور ایسے عمل کا جسے تو پسند فرمائے اے اللہ آسان فرمادے ہم پر ہمارا یہ سفر اور لپیٹ دے ہم سے اس کی لمبی مسافت کو، اے اللہ! تو ہی (ہمارا) ساتھی ہے، اس سفر میں اور (تو ہی ہمارا) جانشین ہے، گھر (اور گھر) والوں میں اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں سفر کی مشقت سے اور (اس کے) تکلیف دہ منظر سے اور بری تبدیلی سے، مال میں اور گھر والوں میں۔''

اور سفر سے واپسی پر یہی الفاظ کہتے اور ان میں اضافہ کرتے:

((اٰئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ))

''(ہم) واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب ہی کی تعریف کرنے والے ہیں۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ: ......تو ہی ساتھی ہے۔ (رفیق کار)

وَالْخَلِیْفَةُ: ......نائب۔ وہ جو کسی کی جگہ اس کے کام نبھانے کے لیے نیابت کرے۔

مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ: ......سفر کی مشقت اور تھکاوٹ۔

وَکَآبَةِ الْمَنْظَرِ: ......برا منظر؛ جسے دیکھ کر غم وحزن ٹوٹ پڑے۔

وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ: ......یعنی ایسی جگہ پلٹنا جو کہ برا لگے۔

اٰئِبُوْنَ: ......خیریت وسلامتی کے ساتھ واپس آنے والے۔

تَآئِبُوْنَ: ......توبہ کرنے والے

عَابِدُوْنَ: ......عبادت کرنے والے، مخلص۔

شرح: **اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ**: ......تو ہی ساتھی ہے۔ (رفیق کار) اس سے

مقصود اللہ تعالیٰ کی ہماری ہے ؛ کہ وہ ذات اس کی نگہبانی کرے، اور اس کی حفاظت کرے۔ اس لیے کہ اکثر و بیشتر انسان سفر میں ایسی صحبت اختیار کرنا چاہتا ہے جس سے وہ مانوس ہو۔ تاکہ اس کے ساتھ اپنے خیالات کا تبادلہ کرسکے۔ اور وہ ساتھی سفر میں پیش آنے والی مشکلات سے نمٹنے کے لیے اس کا ساتھ دے سکے۔ اس قول میں بہترین اعتماد کی طرف تنبیہ کی گئی ہے۔ اپنے ساتھی کی طرف سے کمالِ کفایت کی طرف اشارہ ہے۔

خلیفہ اسے کہتے ہیں: جو امور کو نبھانے میں نیابت کرے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ: اے اللہ! تو ہی ہے جس سے میں امید کرتا ہوں۔ اور اپنے اہل خانہ سے غائب ہونے کی حالت میں تجھ پر ہی اعتماد کرتا ہوں کہ تو ان کی پراگندگی کو سدھائے، ان کے بیماروں کو شفا دے، اور ان کے دین و امانت کی حفاظت فرمائے۔

مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ : ......سفر کی مشقت اور تھکاوٹ۔ وعث ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو بہت نرم (دلدلی) ہو؛ اور وہاں پر چلنے میں دشواری پیش آتی ہو۔

وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ : ......برا منظر؛ جسے دیکھ کر غم وحزن ٹوٹ پڑے۔ اس سے مراد ہر ایسے منظر سے پناہ مانگنا ہے جس سے غم و پریشانی ملتی ہو۔

وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ : ......یعنی ایسی جگہ پلٹنا جو کہ برا لگے۔ یعنی سفر سے اس حالت میں پلٹے کہ اسے یا اس کے اہل خانہ کو کوئی ایسا امر لاحق ہوا ہو جو کہ ان کے حق میں برا ہو۔

اور جب رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہی کلمات دوبارہ کہتے اور ان کے ساتھ یہ الفاظ زیادہ کرتے: (آئِبُوْنَ): خیریت و سلامتی کے ساتھ واپس آنے والے۔

تَآئِبُوْنَ : ......گناہوں سے توبہ کرنے والے۔

عَابِدُوْنَ : ......عبادت کرنے والے، مخلص۔ یعنی اپنے رب کے لیے مخلص اور اس کی نعمتوں پر اس کی حمد وثنا بیان کرنے والے۔

فوائدِ حدیث:

١ ہر قسم کا سفر شروع کرنے کے لیے اس دعا کا مستحب ہونا۔

۲ ہر حال میں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد۔

دورانِ سفر تسبیح و تکبیر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''جب ہم بلندی پر چڑھتے تو تکبیر ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے۔ [1]

شرح : ......مقصود یہ ہے کہ جب ہم بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے۔ اور جب پستی کی طرف اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔

اونچائی پر چڑھتے ہوئے تکبیر کہنا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا شعور ہے۔ اور پستی میں اترتے وقت تسبیح کہنا ہر نقص وعیب سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور پاکیزگی بیان کرنا ہے۔

فوائدِ حدیث :

۱ اونچائی پر چڑھتے ہوئے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کا استحباب۔

۲ پستی پر اترتے وقت تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا استحباب۔

دوران سفر صبح کے وقت کی دُعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور صبح (سحر) کرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے:

((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا عَآئِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ)) [2]

''سنا، ایک سننے والے نے، اللہ کی تعریف کو اور ہم پر جو اس کے اچھے انعامات ہوئے (ان کا تذکرہ بھی) اے ہمارے رب ہمارا ساتھی بن جا اور مہربانی فرما ہم

---

[1] البخاري : ۲۸۳۱. [2] مسلم : ۲۷۱۸.

پر، پناہ میں آتے ہیں اللہ کی آگ (کے عذاب) سے۔''

شرح : ......صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور صبح (سحر) کرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے:

((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللهِ وَحُسْنِ بَلَائِهِ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَأَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا بِاللهِ مِنَ النَّارِ))

''سنا، ایک سننے والے نے، اللہ کی تعریف کو اور ہم پر جو اس کے اچھے انعامات ہوئے (ان کا تذکرہ بھی) اے ہمارے رب ہمارا ساتھی بن جا اور مہربانی فرما ہم پر، پناہ میں آتے ہیں اللہ کی آگ (کے عذاب) سے۔''

سحر کرنا:......اس سے مراد ہے صبح سحر کے وقت بیدار ہونا ہے۔ یا رات کو چلتے ہوئے صبح سحری کا وقت ہو جانا ہے۔ سحر رات کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے۔

سَمِعَ سَامِعٌ :......''سننے والے نے سنا'' مراد یہ ہے کہ میرا یہ کلام سننے والے نے اسے دوسروں تک پہنچایا۔ اس طرح کے کلمات سحر کے اذکار میں کہے جاتے ہیں؛ اور ان الفاظ میں دعا کی جاتی ہے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اس کا معنی یہ ہے کہ:''ایک شہادت دینے والا ہمارے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے ان انعامات اور اچھی نعمتوں پر اس حمد کے بیان کرنے پر گواہ بنا۔

یہ قول کہ ((رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَأَفْضِلْ عَلَيْنَا)) اس کا معنی ہے کہ اے اللہ! ہماری حفاظت فرما۔ اور حامی و کارساز ہو جا۔ اور ہم پر اپنی نعمتوں سے فضل فرما۔ اور ہم سے ایک مکروہ چیز کو پھیر دے۔

اور یہ الفاظ ((عَائِذًا بِاللهِ مِنَ النَّارِ)) مراد یہ ہے کہ میں یہ کلمات تیری امان میں آتے ہوئے اور آگ کے عذاب سے تیری پناہ مانگتے ہوئے کہہ رہا ہوں۔

فوائدِ حدیث :

١ سفر میں سحر کے وقت اس دعا کی مشروعیت۔

٢ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی طلب۔ اس لیے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی پناہ دینے والا نہیں۔

دورانِ سفر کسی جگہ ٹھہرنے کی دُعا

حضرت خولہ بنت حکیم سلمیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: جو کوئی کسی ٹھکانے پر پڑاؤ ڈالے، اور پھر یہ کلمات کہے:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))

''میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، اس کی مخلوق کے شر سے۔''

اسے کوئی چیز تکلیف (نقصان) نہیں دے سکتی یہاں تک کہ وہ اپنے اس ٹھکانہ سے کوچ کر لے۔'' [1]

شرح : ...... ((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ)) علامہ ھروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کلمات تامات ''مکمل کلمات'' سے مراد قرآن ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد: کامل کلمات ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ایسے کلمات جن میں کوئی نقص یا عیب نہیں داخل ہوسکتا جیسے لوگوں کے کلام میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''ہر وہ چیز (جو نقصان دینے والی ہو اور) جس سے پناہ مانگی جاتی ہو، اس سے نفع بخش، کافی اور شافی کلمات۔

(کوچ کر لے ......): یعنی اس جگہ سے منتقل ہو جائے۔ اس جملہ میں ان اہل جاہلیت پر رد ہے جو کہ جب کسی وادی میں اترتے تو کہا کرتے: ''ہم اس وادی کے سردار کی پناہ میں آتے ہیں۔'' اس سے مراد جنات کا بڑا سردار ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت جن میں

---

[1] مسلم: ۲۷۰۸.

ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴾ (الجن : ٦)

''اور (ہوا یہ کہ) بعض آدم زاد لوگ بعض جن لوگوں کی پناہ لیتے تھے اس سے ان کا دماغ اور چڑھا دیا۔''

فوائدِ حدیث:

◇۱ کسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کے وقت اس دعا کے پڑھنے کا مستحب ہونا۔

◇۲ جو یہ دعا کر لے وہ کوچ کرنے تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔

سفر سے واپس آنے کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ یا سفر حج سے واپس تشریف لاتے تو ہر بلند جگہ پر تین (۳) مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اٰئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ)) [1]

''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے، نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کی بادشاہت ہے اُسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر مکمل اختیار رکھتا ہے، ہم واپس آنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، (اور)

---

[1] بخاری : ١٧٩٧۔ مسلم : ١٣٤٤.

اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں سچ کر دکھایا اللہ نے اپنا وعدہ اور مدد فرمائی اپنے بندے کی اور شکست دے دی اس نے تمام لشکروں کو اکیلے ہی۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

آئِبُوْنَ: ......رجوع کرنے والے، واپس آنے والے۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ: ......یعنی دین کے اظہار، اور مؤمنین کی مدد و نصرت، اور متقین کی اچھی عاقبت۔ اور اس کے علاوہ دیگر وعدے، جن کے خلاف اللہ تعالیٰ کبھی بھی نہیں کرتا۔

وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ: ......یعنی انسانوں کے قتل کرنے کے بغیر۔ یہاں پر احزاب سے مراد وہ قبائل ہیں جو جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف جمع ہو گئے تھے۔

شـــرح : ......رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوہ سے واپس تشریف لاتے، یا کسی اونچائی پر چڑھتے، یا کسی پتھریلی جگہ سے گزرتے تو بلند آواز میں تکبیر کہتے۔ اور پھر یہ دعا پڑھتے۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ: ...... یعنی دین کے اظہار، اور مؤمنین کی مدد و نصرت، اور متقین کی اچھی عاقبت۔ اور اس کے علاوہ دیگر وعدے، جن کے خلاف اللہ تعالیٰ کبھی بھی نہیں کرتا۔ اور اس نے انسانوں کے قتل کرنے کے بغیر لشکروں کو شکست دی۔ یہاں پر احزاب سے مراد وہ قبائل ہیں جو جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف جمع ہو گئے تھے؛ اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جماعت بندی کر لی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز ہوائیں چلائیں، اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں وہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: ((صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ)) ان منافقین پر رد ہے جن کے دلوں میں مرض تھا اور وہ کہا کرتے تھے:

﴿مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (الأحزاب : ۱۲)

''اللہ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا وہ تو نرا دھوکا ہی نکلا۔''

مشہور قول یہی ہے کہ اس سے مقصود خندق والے دن جماعتوں کا جمگھٹ ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد ہر جگہ اور ہر زمانے میں تمام کافروں کی جماعتیں ہوں۔'' واللہ اعلم۔

فوائدِ حدیث:

① سفر سے واپسی پر اس دعا کا مستحب ہونا، خواہ سفر جہاد کا ہو، یا حج وعمرہ کا، یا کوئی دیگر۔

② اللہ وحدہ لاشریک کی نعمتوں پر اس کا ذکر، ان نعمتوں میں سے ایک سفر سے واپسی بھی ہے۔

مختلف اقسام کے جامع اذکار

تلاوت قرآن سے پہلے اور بعد کی دعائیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾

(النحل: ۹۸)

''تو (اے پیغمبر) جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے وسوسوں) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کریں۔''

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی نہ ہی کسی مجلس میں تشریف رکھتے، اور نہ ہی قرآن پڑھتے، اور نہ ہی نماز پڑھتے، مگران مجالس کو ان کلمات پر ختم کرتے۔ آپ فرماتی ہیں: میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھتی ہوں کہ آپ کبھی بھی نہ ہی کسی مجلس میں تشریف رکھتے ہیں، اور نہ ہی قرآن پڑھتے ہیں، اور نہ ہی نماز پڑھتے ہیں، مگر انہیں ان کلمات پر ختم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں! جس نے خیر کے کلمات کہے ہوں، اس کے لیے خیر کی مہر کے ساتھ خاتمہ ہوتا ہے، اور جس نے کوئی بری بات کہی ہو، اس کے لیے کفارہ ہوجاتا ہے۔ (وہ کلمات یہ ہیں):

((سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ

إِلَيْكَ)) [1]

''تو پاک ومنزہ ہے، اور تیرے لیے ہی تعریف ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں؛ میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں، اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''

شرح :......اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ہمیں کفارہ مجلس کی دعا سکھا رہے ہیں؛ خواہ کوئی بھی مجلس ہو۔جیسا کہ ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی بھی نہ ہی کسی مجلس میں تشریف رکھتے، اور نہ ہی قرآن پڑھتے، اور نہ ہی نماز پڑھتے، مگر ان مجالس کو ان کلمات پر ختم کرتے۔ اگر انسان نے مجلس میں خطا کی ہوگی تو یہ کلمات ان خطاؤں کا کفارہ ہو جائیں گے؛ اور اگر خیر کی باتیں کہی ہوں گی تو یہ ان کا خاتمہ بالخیر ہو جائے گا۔اور یہ کلمات ہیں:

((سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ))

''تو پاک ہے، اور تیرے لیے ہی تعریف ہے۔''

اس جملہ میں حمد وتنزیہ دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔یعنی میں تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں، اور تیری حمد بیان کرتا ہوں، اور تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں؛ اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

فوائدِ حدیث:

١. قرآن مجید پڑھنے سے پہلے سنت یہ ہے کہ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیں۔
٢. اس حدیث میں مذکور دعا کی ہر مجلس کے خاتمہ پر مشروعیت؛ خواہ وہ تلاوت قران کی مجلس ہو یا نماز کے بعد۔
٣. یہ اذکار خیر کے لیے خیر کی مہر ہوتے ہیں اور برائی کے لیے کفارہ۔

---

[1] أخرجه النسائي في السنن الكبرى: ١٠١٤٠.

④ قرآن کے خاتمہ پر "صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ" کہنے کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، اور وہ تلاوت ختم کرنے پر یہ کلمات کہتے ہیں۔

⑤ خیر کے زیادہ پانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی حرص۔

سجدہ تلاوت کے اذکار ودعائیں

ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سجدہ تلاوت میں کثرت کے ساتھ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ)) [1]

''سجدہ کیا میرے چہرے نے اُس ذات کو جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس نے اس کے کان اور آنکھ کے سوراخ بنائے اپنی طاقت اور قوت کے ذریعے۔''

شرح : ''رات کو سجدہ تلاوت ......'' اس جملہ میں مطلق دعا کو مقید کیا گیا ہے۔ یعنی میرے چہرہ نے اس ذات کے لیے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا؛ اور اس میں آنکھیں ناک اور کان بنائے۔ انہیں ادراک کی قوت بخشی۔ اور انہیں ایجاد کرنے کے بعد ان کی مدد فرمائی۔

بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ : ...... یعنی ان (اعضاء) سے آفات کو ٹالنے کی قوت نہیں رکھتا، مگر تیرے ٹالنے سے اور تیری قوت سے۔''

فوائدِ حدیث:

① سجدہ تلاوت میں اس دعا کی مشروعیت۔

② سجدہ میں دعا کے تکرار کا جواز۔

---

[1] صحیح سنن ابی داؤد : ١٤١٤.

نماز استخارہ کی دُعا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کرنے کی تعلیم ایسے ہی دیتے تھے جیسے قرآن کریم کی کسی سورت کی تعلیم دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہے، تو فرض کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ
فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ
عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ)) [1]

''اے اللہ! بے شک میں بھلائی طلب کرتا ہوں تجھ سے تیرے علم کے واسطے سے اور طاقت طلب کرتا ہوں تجھ سے تیری قدرت کے واسطے سے۔ اور میں سوال کرتا ہوں تیرے فضل عظیم کا۔ کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ بیشک یہ کام بہتر ہے میرے لیے میرے دین میں میری معیشت میں اور میرے انجام کار میں تو فیصلہ کر دے اس کا میرے حق میں اور آسان کر دے

[1] بخاری: ١١٦٦.

اس کو میرے لیے، پھر برکت ڈال دے میرے لیے، اس میں اور اگر تو جانتا ہے
کہ بے شک یہ کام برا ہے میرے لیے میرے دین میں اور میری معیشت میں
اور میرے انجام کار میں تو دور کردے اس کو مجھ سے اور دور کردے مجھ کو اس
سے، اور فیصلہ کردے میرے لیے بھلائی کا جہاں بھی وہ ہو، پھر راضی کردے
مجھے اس پر۔'' [1]

مشکل الفاظ کے معانی :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ : ......یعنی میں تجھ سے اس چیز کا بیان طلب کرتا ہوں جو کہ میرے لیے بہتر ہو۔

بِعِلْمِكَ : ......یعنی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس طرف میری رہنمائی فرمادے جس میں خیر ہو، اس لیے کہ تو جاننے والا ہے۔

وَاَسْتَقْدِرُكَ : ...... اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ میں اتنی قدرت عطا کردے۔

وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ : ......اور تو تمام غیبی امور سے متعلق بہت زیادہ علم والا ہے۔اس لیے کہ تو دنیا و آخرت کی اعلانیہ اور خفیہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔

شرح : ......امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے: ((بَـابُ الْإِسْتَخَارَةِ وَالْمَشَاوِرَةِ)) اللہ تعالیٰ کے ساتھ استخارہ ہوتا ہے اور اہل رائے اور صالح لوگوں کے ساتھ مشورہ ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں کمی اور کوتاہیاں ہوتی ہیں۔انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔کبھی اس کے لیے بعض معاملات مشکل ہوتے ہیں ؛ اور کبھی وہ کسی معاملہ میں تردد کا شکار ہوتا ہے کہ وہ کیا کرے؟ ہم کہتے ہیں: اس کے لیے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ : ......اللہ رب العالمین سے استخارہ کیا جائے جسے تمام امور کا علم ہے،

---

[1] ملاحظہ: جو شخص اللہ سے استخارہ کرے، مخلص عزیزوں سے مشورہ کرے، اور ثابت قدمی سے کام سرانجام دے، تو وہ نادم و پشیمان نہیں ہوگا۔

جوامور ہوچکے ہیں یا ہونے والے ہیں۔اور جونہیں ہوئے،اگر ہوتے تو کیسے ہوتے۔

دوسرا طریقہ: ......اہل علم واصحاب الرائے نیک وصالحین سے مشورہ کیا جائے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مشاورت پر کتاب اللہ کی دوآیتوں سے استدلال کیا ہے جن میں نبی سے خطاب ہے۔فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۱۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ درست اور صائب رائے والے انسان تھے۔لیکن پھر بھی آپ بعض مشکل امور میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا کرتے تھے۔اوراسی طرح آپ کے بعد خلفاء راشدین اہل رائے اور نیک وکار لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

جس سے مشورہ کیا جارہا ہواس میں دوشرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

1. عقل منداورمختلف امور میں تجربہ کار ہو۔دوراندیش ہوجلد باز نہ ہو۔اور یہ کہ دینی لحاظ سے نیک وکار ہو۔اس لیے کہ جوانسان دینی لحاظ سے نیک وکار نہ ہووہ (مشورہ دینے میں) امانت دارنہیں ہوسکتا،خواہ وہ کتنا ہی ذہین اورعاقل کیوں نہ ہو۔اورمختلف امور میں بڑا تجربہ رکھتا ہو۔جب انسان کا دین درست نہیں تو اس میں کوئی خیر نہیں۔اوروہ اس لائق نہیں کہ اس سے مشورہ طلب کیا جائے۔اس لیے کہ جب انسان دین دار نہ ہو تو اس سے یہ امکان ہوتا ہے کہ مشورہ دینے میں خیانت کرجائے؛ اورایسا مشورہ دے جس میں ضرراورنقصان ہو؛ یا ایسا مشورہ دے جس میں کوئی خیر نہ ہو، بلکہ فساد ہی فساد ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری : ۳۸)

''اوران کا کام آپس کی صلاح اورمشورے سے چلتا ہے۔''

یہ ان سب کے درمیان مشترک معاملہ جیسا کہ کفار سے جہاد، آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔ جب حکمران جہاد کرنے کا ارادہ کرے؛ یا کوئی دیگر اس طرح کا کام کرے، جو کہ عام مسلمانوں کے لیے ہو، تو اسے چاہیے کہ ان سے مشورہ کرلے۔

سوال یہ ہے کہ مشورہ کب اور کیسے ہوگا؟

جواب:...... جب کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں حاکم متردد ہو، اسے چاہیے کہ اصحاب رائے اور اہل لوگوں میں سے ان کو جمع کرے جنہیں وہ مشورہ کے قابل سمجھتا ہے؛ اور مشورہ لے۔

جب کہ استخارہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب انسان کسی ایسے کام کا ارادہ کرے جس کی عاقبت کے بارے میں وہ نہ جانتا ہو۔ اور نہ ہی اسے اس کے مستقبل کے بارے میں کچھ علم ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرلے۔ استخارہ کا مطلب ہے کہ دو کاموں میں سے بہتر کی تلاش۔ نبی کریم ﷺ نے اس طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ انسان دو رکعت نفل نماز پڑھے، جو کہ ممنوعہ اوقات میں نہ ہو، سوائے اس کے کہ کسی معاملہ کے متعلق خوف ہو کہ ممنوعہ وقت ختم ہونے سے پہلے یہ معاملہ بھی ختم نہ ہوجائے؛ اس کے لیے اگر ممنوعہ وقت میں بھی استخارہ کی دو رکعت پڑھ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نماز عصر کے بعد (مغرب تک)، نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک اور زوال کے وقت استخارہ کی نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔

جب انسان استخارہ کے لیے دو رکعت نماز پڑھ لے تو پھر اسے یہ دعا کرنی چاہیے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ...))

جب استخارہ پورا ہوجائے تو دو کاموں میں سے جس کے کرنے یا چھوڑ دینے کے لیے شرح صدر حاصل ہوجائے، وہی اصل میں مقصود ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی شرح صدر نہ ہو، اور معاملہ ایسے ہی متردد باقی رہ جائے، تو اسے چاہیے کہ دوبارہ؛ سہ بارہ استخارہ کرے۔ پھر اس کے بعد مشورہ کا نمبر آتا ہے۔ اگر استخارہ سے کسی بھی کام کے لیے شرح

صدر نہ ہو تو پھر اہل رائے اور صالحین سے مشورہ لینا چاہیے۔ اب جس بارے میں یہ لوگ مشورہ دیں گے، اس میں اللہ کے فضل و کرم سے خیر اور بہتری ہوگی۔ اِن شاء اللہ۔

اس لیے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ استخارہ سے کسی متعین چیز کی طرف دل میں میلان پیدا نہیں فرماتے؛ مگر مشورہ کرنے کے بعد دل میں میلان پیدا ہو جاتا ہے۔

علمائے کرام کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ پہلے مشورہ کرنا چاہیے یا استخارہ؟

صحیح یہ ہے کہ استخارہ پہلے کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب تم میں سے کوئی ایک کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دو رکعت پڑھ لے......'' جب تین بار استخارہ کا تکرار ہو جائے، اور مسئلہ واضح نہ ہو تو اہل علم و فضل سے مشورہ لینا چاہیے۔ جس بات کا وہ مشورہ دیں، اس کو اختیار کر لیا جائے۔ استخارہ تین بار کیا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دعا کرتے تو تین بار دعا کرتے۔ استخارہ بھی ایک دعا ہے۔

کبھی انسان کے لیے بہتری کا معاملہ پہلی بار میں واضح نہیں ہوتا، دوسری اور تیسری بار میں بھی واضح نہیں ہوتا۔ اس صورت میں انسان کو چاہیے کہ وہ مشورہ بھی کر لے۔ تاکہ معاملہ واضح ہو جائے۔

فوائدِ حدیث:

1. تمام امور میں استخارہ کرنا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے۔
2. دعا استخارہ وہی ہے جو حدیث میں وارد ہوا ہے، اور اس کا موقع محل سلام کے بعد ہے۔
3. اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ کے لیے گریہ وزاری دنیا و آخرت میں سعادت کا سبب ہے۔

کفارۂ مجلس کی دعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا بہت ہی کم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے یہ دعا کیے بغیر اٹھے ہوں:

((اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
مَعَاصِيْكَ ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ ، وَمِنْ
مَعَاصِيْكَ ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ ، وَمِنْ
بِأَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا ، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثُ
مِنَّا ، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا ، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا ،
وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا ، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا
وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا ، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا)) [1]

''یعنی اے اللہ! ہم میں اپنے خوف کو اتنا تقسیم کر دے کہ وہ ہمارے اور تیری نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی فرمانبرداری ہم میں اتنی تقسیم کر دے کہ وہ ہمیں تیری جنت تک پہنچا دے؛ اور اتنا یقین تقسیم کر دے کہ ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔اے اللہ ! جب تک ہم زندہ رہیں ہماری سماعت، بصر اور قوت سے مستفید کر اور اسے ہمارا وارث کر دے۔ اے اللہ! ہمارا انتقام اسی تک محدود کر دے جو ہم پر ظلم کرے۔ہمیں دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔ ہمارے دین میں مصیبت نازل نہ فرما، دنیا ہی کو ہمارا اصل مقصد نہ بنا اور نہ دنیا کو ہمارے علم کی انتہا بنا اور ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔''

ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب مجلس سے کھڑا ہونا چاہتے تو آخر میں یہ دعا فرمایا کرتے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ
اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ)) [2]

''پاک ہے تو، اے اللہ اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں

---

[1] صحيح الجامع : ١٢٦٨ . [2] صحيح ابي داؤد : ٤٠٦٨ .

ہے کوئی معبود سوائے تیرے، میں معافی مانگتا ہوں تجھ سے اور رجوع کرتا ہوں
تیری طرف۔''

شرح :...... جب نبی کریم ﷺ مجلس سے کھڑا ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ))

معنی یہ ہے کہ ہمارے اپنی خشیت کو اس طرح مقدر کر دے جو کہ خوف اور علم کے ساتھ ملی ہوئی ہو؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر: ۲۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء ہیں۔''

انسان جب کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو اس سے بہت زیادہ غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ان غلطیوں کا کفارہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کہے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ))

''پاک ہے تو، اے اللہ! اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں
ہے کوئی معبود سوائے تیرے، میں معافی مانگتا ہوں تجھ سے اور رجوع کرتا ہوں
تیری طرف۔''

جب یہ کلمات کہہ لیے جائیں تو یہ سابقہ غلطیوں کو دھو ڈالتے ہیں۔اس بنا پر مستحب یہ ہے کہ مجلس کو ان کلمات پر ختم کیا جائے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ))

حدیث کے یہ الفاظ: ((مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ)) اس لیے کہ جب بھی انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرنے کی راہ میں آڑے آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ((مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ)) ''ہمارے اور تیری نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے۔''

اور حدیث کے الفاظ: ((وَمِنْ طَاعَتِكَ)) '' اور اپنی فرمانبرداری میں سے ......''ہم میں اتنی تقسیم کر دے کہ ((مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ)) ''جو ہمیں تیری جنت تک پہنچا دے۔'' جنت کا راستہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے، اس کے محرمات سے بچنے اور اس کی اطاعت بجالانے کی توفیق مل جائے تو وہ جہنم کی آگ سے اس کے خوف کی وجہ سے بچ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ((وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا)) ''اور اتنا یقین میں سے تقسیم کر دے کہ ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔''

یقین ایمان کے اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ اس لیے کہ یہ ایسا مرحلۂ ایمان ہے جس میں کوئی شک و شبہ یا تردد نہیں ہوتا۔ جو کچھ آپ سے غائب ہو اس کے بارے میں بھی ایسے ہی یقین ہوتا ہے جیسا کہ آپ اپنے سامنے کسی موجود اور مشاہد چیز پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیب اس چیز کو کہتے ہیں جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو، یا اس کے اسماء و صفات سے ہو، یا آخرت کے دن سے ہو۔ یا اس طرح کے دیگر امور سے ہو، پس وہ غیبی امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہو۔ اس کے سامنے ایسے ہو جاتے ہیں جیسے سامنے رکھی اور دیکھی ہوئی ایک چیز۔ یہ ایمان کا کمال ہے۔ ((وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا)) ''اور اتنا یقین تقسیم کر دے کہ ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔'' اس لیے کہ دنیا میں بہت سارے مصائب پیش آتے ہیں۔ مصائب کے بارے میں جب انسان کو یقین ہو کہ یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں؛ اور ان کی وجہ سے درجات بلند ہو جاتے ہیں؛ جب

انسان ان پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھے تو مصائب سہنا آسان ہوجاتے ہیں۔اور جتنے بھی بڑے امتحان اور آزمائشیں پیش آئیں، اس کے لیے آسان ہو جاتی ہیں۔ خواہ یہ آزمائشیں اس کے بدن میں ہوں یا مال و اہل میں۔ یقین محکم کے ساتھ مصائب کا برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

مَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا: ......"اے اللہ! جب تک ہم زندہ رہیں ہماری سماعت، بصر اور قوت سے مستفید کر۔" اس جملہ میں آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو ان حواس سے سمع، بصر اور قوت سے اس وقت تک فائدہ پہنچائے جب تک آپ زندہ ہیں۔اس لیے کہ جب انسان اس حواس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اسے بہت بڑی خیر ملتی ہے۔ اور جب یہ حواس مفقود ہوجاتے ہیں تو اس سے بہت بڑی خیر چھوٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان ان حواس پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے ملامت نہیں کیا جاسکتا۔

وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا: ......"اور اسے ہمارا وارث کردے۔" یعنی قوت سماعت و بصارت اور طاقت کو ہمارا وارث بنادے۔ مراد یہ ہے کہ یہ قوات زندگی کے آخری مرحلہ تک ہمارا ساتھ دیں۔ اوراس کے بعد بھی باقی رہیں یہاں تک کہ یہ ہمارے وارث کی طرح ہوجائیں۔ یہ ان قوات کے موت تک مستمر رہنے سے کنایہ ہے۔

وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا: ......" اے اللہ! ہمارا انتقام اسی تک محدود کردے جو ہم پر ظلم کرے۔" "یعنی ہمیں اس قابل کردے کہ ہم بدلہ لے سکیں۔ یا ہمارا انتقام ہم پر ظلم کرنے والوں سے ہی ہو۔اس طرح سے کہ تو ہماری طرف سے ان سے قصاص (بدلہ) لے۔اس طرح سے کہ یا تو ان پر دنیا میں کوئی مصیبت آئے (وہ نشان عبرت بن جائیں) یا پھر آخرت میں ان سے ہمارا انتقام لے لے۔ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ انسان ظالم پر اس کے ظلم کے بقدر بد دعا کرے۔ جب انسان ظالم کے لیے بقدر ظلم ہی بد دعا کرے تو یہ انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی بد دعا کو قبول کرنے والے ہیں۔

وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا: ......''ہمیں ہمارے دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔'' ہمارے سب سے بڑے دشمن جو کہ اللہ کے دین کی وجہ سے ہم سے دشمنی رکھتے ہیں وہ یہود، نصاری، مشرکین اور بوڈیسٹ؛ ملحدین اور منافقین لوگ ہیں۔ یہ سب ہمارے دشمن ہیں۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾

(الممتحنة : ١)

''مسلمانو میرے دشمن اور اپنے دشمن (یعنی کافروں کو) دوست نہ بناؤ۔''

اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾

(المنافقون : ٤)

''بڑے دشمن یہی لوگ ہیں ان سے بچ کر رہیں خدا کی مار ان پر کدھر بہکے جار ہے ہیں۔''

پس آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ دشمن پر آپ کی مدد کرے۔ اور یہود و نصاری، مشرکین، بوڈیسٹ، منافقین اور ملحدین اور بقیہ تمام کفار پر آپ کو فتح عطا فرمائے۔حقیقی مددگار تو وہی اللہ ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ١٥٠)

''بلکہ اللہ تمھارا کارساز ہے اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے۔''

وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا: ......''ہمارے دین میں مصیبت نازل نہ فرما۔'' حقیقت میں مصائب انسان کے مال ودولت میں ہوتے ہیں۔یعنی اس کا مال جل جائے، یا چوری ہو جائے، یا ضائع ہو جائے؛ یہ مصیبت ہے۔ایسے ہی مصیبت انسان کے اہل خانہ میں بھی ہوسکتی ہے۔ یہ کہ اس کے اہل خانہ بیمار ہو جائیں؛ یا مر جائیں۔ یا انسان کے عقل میں مصیبت ہو کہ خود انسان کو یا اس کے اہل خانہ کو عقلی یا نفسیاتی امراض لاحق ہو

جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔تقریباً انسان کے ساتھ پیش آنے والے تمام امور میں مصیبت ہوسکتی ہے۔لیکن ان میں سب سے بڑی مصیبت انسان کے دین میں ہوتی ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دین حق پر ثابت قدم رکھے۔ جب انسان کے دین میں کوئی مصیبت پیش آئے تو یہ اس کے لیے سب سے بڑی پریشانی اور مصیبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا: ......''دنیا ہی کو ہمارا اصل مقصد نہ بنا اور نہ دنیا کو ہمارے علم کی انتہا بنا۔'' دنیا کو ہمارا اصل مقصد نہ بنانا؛ بلکہ ہمارا اصل مقصود آخرت ہو، اور اس کے ساتھ ہی ہم دنیا سے اپنا بھی نصیب نہ بھولیں۔انسان کے لیے دنیا بھی ضروری ہے۔لیکن دنیا اصل اور بڑا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔اور نہ ہی اس کے علم کی منتہا ہونا چاہیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہنا چاہیے کہ اس کے علم کی انتہا آخرت کا علم ہونا چاہیے۔رہا دنیا کا علم اور اس سے متعلقہ امور تو یہ جیسے بھی ہوں، انہوں نے ایک وقت ختم ہوجانا ہے۔یعنی اگر کوئی انسان میڈیکل میں بڑا ماہر اور عالم ہو، کوئی دوسرا علم فلک میں ماہر ہو، تیسرا علم جغرافیہ میں وقت کا امام ہو، یعنی دنیاوی علوم میں سے جس علم میں بھی ماہر ہوگا، یہ علوم ختم ہونے والے ہیں۔ یہاں پر علم شریعت اور علم آخرت کے متعلق بات ہورہی ہے۔ یہی علم اہم ترین ہے (جس کو کبھی بھی زوال نہیں آئے گا، بلکہ دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچائے گا)۔

وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا: ...... ''اور ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔'' (ہمارے گناہوں کی وجہ سے) ہم پر مخلوق میں سے کسی ایسے کو مسلط نہ کرنا جو ہم پر رحم نہ کرے۔اور ایسے ہی جو ہم پر رحم کرنے والا ہو۔ہم پر کسی ایک کو بھی مسلط نہ کرنا۔لیکن جو انسان آپ پر رحم کرنے والا ہو، آپ کو اس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ رہا وہ انسان جس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے ؛ اس کے بارے میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کسی ایسے کو مسلط نہ کرے جو ہم پر رحم نہ کرے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ظالموں سے اپنی حفاظت اور امان میں رکھے)۔

فوائدِ حدیث:

1 انسان جب کسی مجلس میں بیٹھے اور اس سے غلطیاں بھی ہوں تو ان کا کفارہ یہ دعا ہے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ))

بازار میں داخل ہونے کی دُعا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی بازار میں (داخل ہوتے وقت) یہ دعا پڑھے:

((لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) [1]

''نہیں کوئی معبود مگر اللہ وہ اکیلا ہے، نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کی بادشاہت اور اسی کی ہی سب تعریف ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ زندہ ہے، نہیں وہ مرتا اسی کے ہاتھ میں سب بھلائی اور وہ ہر چیز پر (کامل) قدرت رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، اور اس کی دس لاکھ غلطیاں معاف کر دیتے ہیں؛ اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔''

شــــرح :...... (بازار میں داخل ہوتے وقت ......): علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' یہاں ذکر کے لیے بازار کا خاص طور پر نام لیا ہے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت اور تجارت اور دیگر کاموں میں مشغولیت کی جگہ ہے۔ یہاں پر شیطان کی حکومت ہوتی ہے۔

---

[1] صحيح سنن الترمذي: ٣٤٢٩.

اوراس کے لشکر یہاں پر جمع ہوتے ہیں۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شیطان سے جنگ کرتا ہے، اوراس کے لشکروں کو شکست سے دوچار کرتا ہے۔ ایسا انسان اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو مذکورہ بالا ثواب ملے۔

بازار میں افضل یہ ہے کہ انسان تھوڑا بلند آواز میں یہ دعا کرے، تا کہ غافل لوگ بھی یہ آواز سن کر ایسے ہی ذکر ودعا کریں۔ اس میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی فائدہ ہے۔ لیکن ایسا اس وقت کرنا چاہیے جب انسان کو ریا کاری یا دکھلاوے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

لفظ حدیث: ((بِيَدِهِ الْخَيْرُ)) ''اسی کے ہاتھ میں ہے خیر۔'' اور ایسے ہی شر بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ (النساء : ۷۸)

''کوئی بھلائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے؛ اور اگر کوئی برائی (بلا) آتی ہے (مثلاً قحط وگرانی مال یا جان کا نقصان) تو کہنے لگتے ہیں یہ تیری وجہ سے ہے (اے پیغمبر) کہہ دے سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

ادب کے طور پر شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاتی۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ : ......وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے، اور اس کی قدرت پوری اور بڑی زبردست ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو کوئی یہاں پر [بازار میں] اللہ کا ذکر کرے، اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

(النور: ۳۸)

''وہ ایسے جواں مرد ہیں جن کو سوداگری اور مول تول اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل

نہیں کرتے۔"

(اللہ تعالیٰ......لکھ دیتے ہیں): یعنی ثبت کر دیتے ہیں، یا اس کے لیے اتنا اجر لکھنے کا حکم دے دیتے ہیں۔

(دس لاکھ نیکیاں......): یہ دلیل ہے کثرت ثواب کی۔ علماء کہتے ہیں: یہ اس طرح سے ہے کہ بازار والوں سے غفلت کے اندھیرے، جھوٹ اور جھوٹی قسمیں صادر ہوتی ہیں، جیسا کہ بازاروں میں دیکھا جاتا ہے۔ جب ان لوگوں میں سخت غفلت اور سختی پائی جاتی تھی تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے والے کا اجر بھی کثرت کے ساتھ بیان کیا گیا۔

(......معاف کر دیتے ہیں): یعنی بخش دیتے ہیں۔ یا پھر اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال سے دس لاکھ غلطیاں مٹانے کا حکم دے دیتے ہیں ؛ اگر اس کی اتنی غلطیاں ہوں، اگر اتنی غلطیاں نہ ہوں تو اس کے برابر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں درج کر دی جاتی ہیں۔ اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس روایت کا تقاضا ہے کہ ایسا ذکر پہلی فرصت میں کیا جائے، اس لیے کہ اس معمولی سے ذکر پر اتنا بڑا ثواب ملنے میں حکمت یہ ہے کہ اہل غفلت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے غازیوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والا۔"

محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں قتیبہ بن مسلم کے پاس گیا اور ان سے کہا: میں آپ کے لیے ایک ھدیہ لایا ہوں۔ اور پھر ان سے یہ حدیث بیان کی۔ (تو آپ کا یہ حال ہو گیا کہ) آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر بازار میں آتے ؛ یہ کلمات کہہ کر واپس چلے جاتے۔"

فوائدِ حدیث:

1. بازار میں داخل ہوتے وقت ان الفاظ میں ذکر کا مستحب ہونا۔
2. ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جس سے مسلمانوں کو بہت ساری نیکیاں اور اجر وثواب غنیمت میں ملتا ہے۔
3. جو کوئی بازار میں داخل ہوتے وقت یہ کلمات کہے، اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دی

جاتی ہیں۔

۴ اس کے دس لاکھ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔

جانور خریدتے وقت کی دُعا

رسول ﷺ نے فرمایا کہ: ''جب تم میں سے کوئی شخص شادی کرے یا خادمہ (لونڈی) خریدے تو اسے یہ دعا کرنی چاہیے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَ خَیْرَ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْهِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْهِ)) [1]

''اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اس کی بھلائی اور اس چیز کی بھلائی کا جس پر پیدا کیا تو نے اس کو اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا۔''

اور جب اونٹ خریدے تو اس کی کوہان کی چوٹی پکڑے، پھر یہی دعا پڑھے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

جَبَلْتَھَا عَلَیْهِ : ......جس فطرت اور خصلت پر تو نے اسے پیدا کیا۔

شرح : (......کوئی ایک شادی کرے......): یا لونڈی خریدے۔لونڈی پر قیاس کرتے ہوئے غلام کا ذکر نہیں کیا۔اس (خریدار یا شادی کرنے والے) کو چاہیے کہ اس (بیوی یا لونڈی) کو اس کی پیشانی سے پکڑے۔ پیشانی کا لفظ سر کے اگلے حصہ کے بالوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اور مقصود یہ ہے کہ سر کے اگلے حصہ سے پکڑے؛ خواہ اس کے بال ہوں یہ نہ ہوں؛ وہ مذکورہ بالا دُعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا: ...... اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا

---

[1] حسنه الألباني في صحيح سنن ابن ماجة : ٢٢٥٢.

سوال کرتا ہوں، مراد اس کی ذات ہے۔

وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا : ......''اور اس چیز کی بھلائی جس پر تو نے اسے پیدا کیا ؛ یعنی اس کا اخلاق اور طبیعت۔ اچھی صفات۔ پہلا کلمہ عام ہے اور دوسرا خاص۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی جس چیز پر تو نے اسے پیدا کیا، اور جو تو نے اس کی طبیعت بنائی، اور جو چیزیں اس کے لیے محبوب کر دیں۔''

وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ : ......''[اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے] اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا۔'' مراد مردود افعال، قبیح اوصاف اور برے اور مذموم اخلاق ہیں۔

(جب اونٹ خریدے......): تو اسے چاہیے کہ اونٹ کو اس کی کوہان سے پکڑ لے، اور پھر یہی کلمات کہے۔ یعنی ان ہی الفاظ میں دعا کرے۔

فوائدِ حدیث:

1. حدیث مبارک میں شادی کرنے کے وقت ؛ اور لونڈی یا جانور خریدنے کے وقت اس دعا کی مشروعیت کا بیان ہے۔
2. ہر چیز میں برکت کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ خیر اور شر کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

چھینک کی دُعا

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے کہنا چاہیے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) ''ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔''

اور اس کے دوست یا بھائی کو کہنا چاہیے:

((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) ''تم پر اللہ رحم فرمائے۔''

اور جب اس کا بھائی اسے یہ کہے تو وہ کہے:

((يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) [1]

''تمہیں ہدایت دے اللہ اور درست کرے تمہارا حال۔''

شرح :......اس حدیث مبارکہ میں بیان ہے کہ چھینک آنے والا جب ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے تو اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کو ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہنا چاہیے۔اس کے ساتھ ہی چھینکنے کے آداب ہیں۔ چھینک آنے پر ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ چھینک چستی اور نشاط پر دلالت کرتی ہے۔اس لیے آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں جب کسی انسان کو چھینک آتی ہے تو وہ چست ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو انسان کے لیے چستی اور سنجیدگی پسند ہے۔حدیث میں آتا ہے:

''طاقتور مؤمن اللہ کے ہاں کمزور مؤمن کی نسبت زیادہ محبوب ہے؛ اور ان میں سے ہر ایک میں خیر ہے۔''

چھینک بھی چستی اور نشاط پر دلالت کرتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔اس موقع پر مشروع ہے کہ انسان ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت دی گئی ہے جس پر اس کی حمد وثنا بیان کرنا یعنی ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہنا چاہیے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''جب انسان کو چھینک آئے اور وہ بیت الخلاء میں ہو تو اسے اپنی زبان سے الحمد للہ نہیں کہنا چاہیے۔بلکہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔ اس لیے کہ بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا۔

جب کسی انسان کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والوں پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہہ کر اس کے لیے رحمت کی دعا کریں جو کہ اس کے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہنے کی جزاء ہے۔ اس لیے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہےتو

---

[1] اخرجه البخاري: ٥٨٧٠.

اس کا بدلہ یہ تھا کہ اس کے بھائی اس کے لیے رحمت کی دعا کریں۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''جو بھی الحمد للہ کہنا سنے اس پر حق ہے......'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر سننے والے پر ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کے جواب میں ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) کہنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی کو چھینک آئے اور وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہے تو تم سب ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) کہو۔''

چھینکنے کے آداب میں سے ہے کہ جب انسان کو چھینک آئے تو وہ کوئی کپڑا اپنے منہ پر رکھ لے۔ اہل علم رحمہم اللہ فرماتے ہیں: اس میں دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: ......اس چھینک کے ساتھ بسا اوقات ایسے امراض نکلتے ہیں جو کہ گرد و نواح میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں پھیل جاتے ہیں۔ (لہٰذا اس کا سدباب کیا گیا ہے)۔

دوسری حکمت: ......کبھی کبھار چھینک کے ساتھ ناک سے گندی چیز نکل آتی ہے جس سے نفرت سی پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان چہرے کو ڈھانک لیتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کرنا چاہیے جیسے بعض لوگ کرتے ہیں کہ چھینکنے کے وقت اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ اس لیے کہ ہاتھ رکھنے سے منہ سے نکلنے والی ہوا رک جاتی ہے، اور بسا اوقات ایسا کرنا انسان کی ذات کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔

دوسری کئی احادیث ایسی بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس انسان کو چھینک آئے اور وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہ کہے تو اس کے لیے ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) نہیں کہنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس دو آدمی چھینکے۔ ان میں سے ایک کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) مگر دوسرے کے لیے نہیں کہا۔ اس نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ دوسرا آدمی چھینکا تو آپ نے کہا: ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) مگر جب میں چھینکا تو آپ نے ایسے نہیں کہا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہا تھا، تم نے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہیں کہا۔'' اس سے ثابت ہوا کہ جب انسان کو چھینک آئے اور وہ

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہ کہے، تو آپ کو ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) نہیں کہنا چاہیے۔

سوال: کیا بھولے ہوئے انسان کو یاد دلانا چاہیے کہ تم ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہو؟

جواب: نہیں۔ اس حدیث میں دلیل موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس انسان سے یہ نہیں کہا تھا کہ: تم ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہو۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ: ''جب کسی کو چھینک آئے اور وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہ کہے تو اس کے لیے ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) نہ کہو۔'' پس ایسے انسان کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ تم ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہو تا کہ ہم تمہارے لیے دعا کر سکیں۔ ہاں بعد میں اسے سمجھانا چاہیے کہ شرعی ادب یہ ہے کہ جب انسان کو چھینک آئے تو وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہے۔ ایسا کرنا بطور تعلیم کے ہونا چاہیے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چھینکنے والے کو اتنی آواز میں الحمد للہ کہنا چاہیے کہ آس پاس والے سن لیں۔

جب چھینکنے والے کے لیے ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہہ دیا جائے تو اسے جواب میں: ((یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ)) ''تمہیں ہدایت دے اللہ اور درست کرے تمہارا حال'' کہنا چاہیے۔ یعنی اس جملہ کے جواب میں ان کے لیے اصلاح احوال اور ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔ بعض جاہل لوگ کہتے ہیں: "((یَهْدِیْنَا وَ یَهْدِیْكُمْ)) ''وہ ہمیں بھی اور تمہیں بھی ہدایت دے۔ یہ غلط جملہ ہے جب کہ مشروع یوں کہنا ہے:

((یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ))

فوائدِ حدیث:

① جب کسی انسان کو چھینک آئے تو اسے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہنا چاہیے۔

② چھینکنے والے کے لیے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہنے پر ہمیں ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہنا چاہیے۔

③ اگر چھینکنے والا ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہ کہے تو ہمیں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔

جب کافر کو چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو......

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہود جان بوجھ کر بہ تکلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس امید میں چھینکا کرتے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) اللہ تم پر رحم فرمائے؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہا کرتے:

((يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) [1]

''تمہیں ہدایت دے اللہ اور درست کرے تمہارا حال۔''

شـــرح : ...... یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بناوٹی طور پر چھینک لگاتے اور ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہتے۔ وہ اپنے قلوب میں یہ امید رکھا کرتے تھے کہ جب ہم چھینک آنے کے بعد ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے رحم کی دعا کریں گے، اور فرمائیں گے: ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کہیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے یوں کہتے: ((يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) ...... ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) نہ کہتے۔ اس لیے کہ رحمت مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے ان کے لیے ہدایت، توفیق اور ایمان کی دعا کی جاتی۔

فوائدِ حدیث:

① کافر اگر چھینک آنے پر الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں ((يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) کہنے کا جواز۔

② کافر اگر چھینک آنے پر الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) نہ کہا جائے۔

---

[1] صححه الألباني في الأدب المفرد : ٩٤٠.

مریض کے لیے دُعا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم میں سے جب کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ اس پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے پھر فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا)) [1]

''اے اللہ !اے لوگوں کے پروردگار! تکلیف کو دور کر دے؛ اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے ایسی شفا دینے والا ہے تیری شفا کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے۔''

شرح :...... جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کی عیادت فرماتے تو یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا))

''اے اللہ !اے لوگوں کے پروردگار! تکلیف کو دور کر دے؛ اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے ایسی شفا دینے والا ہے تیری شفا کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے۔''

اور اپنا دائیاں دست مبارک مریض پر پھیرتے۔اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دعا پڑھتے۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے وسیلہ سے سوال کرتے۔ بے شک وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو کہ خالق و مالک ہے، اور جو تمام امور کا مدبر ومتصرف ہے۔ وہ مریض جو کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی مرض کے پیدا کیا، پھر اسے مرض لاحق ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس مرض کوختم کر دینے پر

---

[1] اخرجه البخاری: ۵۷۴۳۔ مسلم ۲۱۹۱.

قادر ہے۔

اَذْهِبِ الْبَاْسَ: ......اس بیماری کوختم کردے۔مرض کو لے جا۔

وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ: ......اور شفا دے، بے شک تو ہی شفا دینے والا ہے۔ شفاء مرض کے ختم ہونے، اور مریض کے تندرست ہونے سے عبارت ہے۔لفظ (وَاشْفِ) کے دو معانی ہیں۔ پہلا معنی ہے: ''ہلاک کردے۔'' دوسرا معنی ہے: '' بیماری سے نجات دینا۔'' یہاں پر یہ دوسرا معنی مراد ہے۔عربی میں کہا جاتا ہے:

((اللّٰهُمَّ اشْفِ فَلَانًا وَلَا تَشْفَه))

''اے اللہ فلاں کوشفا دے اوراسے ہلاک نہ کرنا۔''

بادی النظر میں دونوں کلموں کا ایک ہی معنی ہے؛ مگر حقیقت میں ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

اَنْتَ الشَّافِيْ: ......شافی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی جتنی بھی دوائیں اختیار کی جاتی ہیں، جھاڑ پھونک یا دعائیں کی جاتی ہیں وہ فقط اسباب ہیں۔کبھی اللہ تعالیٰ ان اسباب سے نفع عطا کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی مسبب ہے۔ بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ دو انسان ایک ہی بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ اوردونوں ایک جیسی دوا سے ہی علاج کرتے ہیں۔ان کا طریقہ علاج بھی ایک جیسا ہوتا ہے،مگران میں سے ایک شفا یاب ہوجاتا ہے اور دوسرے کی موت واقع ہوجاتی ہے۔اس لیے کہ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی شفا دینے والا ہے۔ باقی دعائیں،دوائیں حیلے،جھاڑ پھونک یہ سب اسباب ہیں۔ہمیں یہ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی بیماری نازل نہیں کی مگراس کی دوا بھی نازل فرمائی ہے۔''

لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ: ......صدق رسول اللہ ﷺ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی شفاء ہے کوئی اور شفاء نہیں۔مخلوق کے ذریعہ سے ملنے والی شفاء فقط ایک سبب ہے۔ حقیقی

شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ ہی کوئی طبیب ہے جو شفاء دے اور نہ ہی کوئی ایسی دواء ہے۔بس یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا: ......ایسی شفاء جو کہ کامل ہو، اور اس کے بعد بیماری باقی نہ رہے۔

فوائدِ حدیث:

① جب کوئی کسی مریض کی عیادت کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا دائیاں ہاتھ اس کے جسم پر پھیرے اور یہ دعا پڑھے۔

② اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی شفا دینے والا نہیں۔

جو انسان زندگی سے ناامید ہو گیا ہو تو وہ کیا کہے؟

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا؛ (آپ میرے سینہ کے ساتھ) ٹیک لگائے ہوئے تھے؛ آپ فرما رہے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَأَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى)) [1]

''اے اللہ! میری مغفرت فرما؛ اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ کر دے۔''

شرح : ......زندگی سے مایوسی اسی وقت ہوتی ہے جب موت سامنے نظر آ رہی ہو۔ اس سے پہلے انسان خواہ کتنا ہی بیمار کیوں نہ ہو، وہ زندگی سے مایوس نہیں ہوتا۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کی بیماری اتنا بڑھ جاتی ہے کہ اس کے گھر والے اس کے غسل کا سامان ؛خوشبو اور کفن وغیرہ جمع کر دیتے ہیں۔لیکن پھر اللہ تعالیٰ اسے عافیت اور شفا عطا فرماتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بے آب و گیاہ زمین میں موت کے منہ میں پہنچ چکے ہوتے ہیں، ان کے پاس نہ ہی کھانا ہوتا ہے اور نہ ہی پینا، مگر اللہ تعالیٰ سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

---

[1] بخاری: ٤٤٥٠.

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَ شَرَابُهٗ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّهَا وَقَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ وَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: "اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِیْ وَأَنَا رَبُّكَ" أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ)) [1]

''جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اسکی توبہ پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ جیسے جنگل میں کسی کی سواری بھاگ گئی اوراسی پر اسکے کھانے پینے کا سامان بھی تھا، وہ اس سے مایوس ہوکر کسی درخت کے نیچے آ کر لیٹ گیا جبکہ وہ اپنی سواری سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ اسی حالت میں تھا اور اچانک اس کی وہ سواری اسکے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ اس کی نکیل پکڑ کر جذباتِ مسرت سے مغلوب ہوکر کہتا ہے: ''اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔'' شدتِ مسرت سے وہ غلطی کرجاتا ہے، اس بندے کی خوشی ومسرت سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔''

یہ انسان جو اپنی حالت کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہوگیا تھا؛ اس کے پاس نہ ہی کچھ کھانے کے لیے تھا اور نہ ہی پینے کے لیے۔ اس وقت اس کی مایوسی حقیقی مایوسی تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جس انسان کی سانسیں اکھڑ چکی ہوں، اور اس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو، (اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوجائے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم: ۲۷۴۷.

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ○ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ○ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ○ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

''پھر اگر تم سچے ہو تو جب (بیمار کی) جان (بدن سے نکل کر) حلق میں آن پہنچی ہے اور تم اس وقت (ٹکر ٹکر پڑے) دیکھتے رہتے ہو۔ اور ہم تم سے زیادہ اس (بیمار) کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو۔ تو اس (بیمار) کی جان (گلے سے) پلٹا کیوں نہیں لیتے اگر تم سچے ہو۔''

کون ہے جو اس وقت روح کو واپس لا سکے جب وہ حلق تک پہنچ گئی ہو؟ ہرگز ہرگز کوئی بھی ایسا نہیں۔ انسان اس وقت زندگی سے مایوس ہوتا ہے جب وہ اپنی موت کو سامنے دیکھ لیتا ہے۔ اس وقت انسان کو کیا کہنا چاہیے؟ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى))

''اے اللہ! میری مغفرت فرما؛ اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے رفیق اعلی کے ساتھ کردے۔''

رسول اللہ ﷺ ایسے دعا فرمایا کرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیے تھے۔ رفیق اعلی کون ہیں؟

رفیق اعلیٰ انبیائے کرام علیہم السلام صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں؛ اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت ایسے دعا کی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس ایک برتن میں پانی تھا۔ آپ پر سکرات کی ایسی سخت گھڑیاں آئیں تھیں کہ کسی اور پر نہیں آئیں۔ آپ کی بیماری بھی دو آدمیوں کی بیماری کے برابر ہوتی تھی۔ آپ کی بیماری کی طرح آپ کا عالم نزع بھی بہت سخت تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی تا کہ آپ ﷺ صبر کے اعلی درجات کو

پاسکیں۔صبر کرنے کے لیے کچھ ایسی چیز بھی ہونی چاہیے جس پر وہ صبر کرے۔گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے چن لیا تھا کہ آپ کی مرض بہت سخت ہو،اور آپ کا عالم نزع بھی سخت ہو،تا کہ آپ صبر کے اعلی وارفع ترین مقامات کو حاصل کرسکیں۔

رسول اللہ ﷺ اس پانی کے برتن میں اپنا دستِ مبارک داخل کرتے، اور پھر اسے اپنے چہرہ پرمل لیتے؛ اور فرماتے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) موت کی سختیاں ہیں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾

(ق: ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی (سب) حقیقت کھول دے گی (اس وقت اس سے کہا جائے گا) یہی تو وہ ہے (یعنی موت) جس سے تو ڈر کر بھاگ پھرتا تھا۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ موت کی سختیوں پر ہماری اور آپ کی مدد فرمائے۔ اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ اور ہمیں اور آپ کو ایمان پر موت دے، اور ہمیں اس حالت میں موت آئے کہ وہ ہم سے راضی ہو، بے شک وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

فوائدِ حدیث:

۱. جو انسان اپنی زندگی سے مایوس ہو جائے اس کے لیے اس دعا کی مشروعیت۔
۲. نبی کریم ﷺ کا صبر وتحمل۔

مصیبت زدہ کو دیکھنے کے وقت کی دُعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی کسی مصیبت زدہ کو دیکھے، اسے چاہیے کہ یوں کہے:

---

[1] البخاری: ٤٤٤٩.

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا)) [1]

''ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس چیز سے عافیت دی جس میں تجھے مبتلا کیا ہے اور فضیلت دی مجھے بہت زیادہ لوگوں پر اپنی مخلوق میں سے، فضیلت عطا فرمانا۔''

(جس نے یہ دعا ایمان و یقین کے ساتھ پڑھ لی) اسے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا جب تک وہ زندہ رہے۔

شـــرح : ......جو کوئی مصیبت زدہ کو دیکھے، خواہ یہ مصیبت بدنی ہو جیسے برص، یا قد کا بہت زیادہ چھوٹا ہونا، یا بہت زیادہ لمبا ہونا، یا اندھا ہونا، یا لنگڑا ہونا، یا ہاتھوں کا ٹیڑھا ہونا، یا اس طرح کا دیگر کوئی مرض؛ یا دینی مصیبت ہو، جیسے فسق، ظلم، بدعت، کفر وغیرہ ؛ اس وقت انسان کو مذکورہ بالا دُعا پڑھنی چاہیے۔

اس لیے کہ عافیت آزمائش ومصیبت سے زیادہ وسیع ہے۔ اس لیے کہ مصیبت میں گریہ وزاری اور فریاد کا گمان ہوتا ہے۔ اس وقت یہ چیز آزمائش بن جاتی ہے۔ جب کہ طاقت ور مؤمن اللہ کے ہاں کمزور مؤمن کی نسبت زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔

وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا : ......''فضیلت دی مجھے بہت زیادہ لوگوں پر اپنی مخلوق میں سے'' یعنی دین اور دنیا میں ؛ قلب اور قالب میں فضیلت دی اور اس مصیبت میں نہیں ڈالا۔

(......اسے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا): یعنی جو انسان بھی کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر مذکورہ بالا دعا پڑھے، اسے اس آزمائش سے محفوظ رکھا جائے گا، خواہ یہ دعا پڑھنے والا کوئی بھی ہو۔ اور جب تک وہ زندہ رہے۔

---

[1] صحيح سنن الترمذي ٣٤٣١.

فوائدِ حدیث:

◇۱ مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنے کی مشروعیت؛ خواہ مصیبت دینی ہو یا بدنی۔

◇۲ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت پر اس کی حمد و ثنا بیان کریں؛ اور ہمیشہ کے لیے اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

''مجھے تم سے اللہ کے لیے محبت ہے'' کہنے والے کو دُعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، وہاں سے ایک دوسرے آدمی کا گزر ہوا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں اس آدمی سے محبت کرتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اسے اس کے متعلق آگاہ کیا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: جاؤ، اور اسے اس کی خبر دو۔ اس آدمی نے دوسرے آدمی کو راہ میں جا لیا، اور اس سے کہا: ''میں اللہ کے لیے تم سے محبت کرتا ہوں۔'' اس نے کہا:

((اَحَبَّكَ الَّذِيْ اَحْبَبْتَنِيْ لَهٗ)) [1]

''وہ ہستی (یعنی اللہ) تم سے محبت کرے جس کی خاطر تم نے مجھ سے محبت کی۔''

شرح: ...... پہلے آدمی نے کہا: میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم نے اسے اپنی محبت کے بارے میں بتایا ہے؟ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ جا کر اپنے بھائی کو خبر دے کہ وہ اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔ جب اس نے جا کر خبر دی تو دوسرے آدمی نے جواب میں کہا:

((اَحَبَّكَ الَّذِيْ اَحْبَبْتَنِيْ لَهٗ))

''وہ ہستی (یعنی اللہ) تم سے محبت کرے جس کی خاطر تم نے مجھ سے محبت کی۔''

یعنی جس ہستی کی رضا مندی کے حصول کے لیے تم نے مجھ سے محبت کی ہے، وہ تم سے

---

[1] صحيح ابي داؤد: ٥١٢٥.

محبت کرے۔ یہ اصل میں دعا ہے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں آپس میں محبت والفت اور پیار کی فضا قائم کرنے کی ترغیب ہے۔ اس لیے کہ جب آپ کسی کو بتائیں گے کہ آپ اس سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں تو اس کا دل آپ کی طرف مائل ہوگا۔ اور آپ اس کی محبت کما سکیں گے۔

فوائدِ حدیث:

① صحابہ کرام کے مابین محبت والفت کی فضا قائم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص۔

② اپنے بھائی کو خبر دینے کی ضرورت کہ آپ اس سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں۔

③ جو انسان یہ کہے میں آپ سے محبت کرتا ہوں اسے یہ دعا دینی چاہیے:

((اَحَبَّكَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَهٗ))

جو انسان آپ کے لیے اپنا مال پیش کرے اس کے لیے دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان اور سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ کر دیا۔ سعد مال دار تھے، اس لیے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میں اپنا آدھا مال بانٹ کر تمہیں دیتا ہوں اور میں تمہارا نکاح کر دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْ اَهْلِكَ وَ مَالِكَ))

''اللہ تمہاری بیویوں اور تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے۔''

مجھ کو بازار کا پتہ بتا دو۔ وہ بازار سے واپس نہ ہوئے جب تک کہ پنیر اور گھی نہ بچا لیا۔ اور اس کو اپنے گھر والوں کے پاس لے کر آئے۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ وہ ایک دن اس حال میں آئے کہ ان پر زردی کا اثر تھا ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ نے

پوچھا کہ اسے مہر کتنا دیا ہے؟ کہا: ایک گھٹلی کے برابر سونا۔[اس پر] آپ ﷺ نے فرمایا:
((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) [1] ''ولیمہ کرواگرچہ ایک بکری ہی ہو۔''

فوائدِ حدیث:

① جوانسان آپ پر اپنا مال پیش کرے؛اس کے مال و اہل میں برکت کے لیے دعا کا استحباب۔

② مؤمنین کے درمیان محبت اور ایثار اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کے اعلیٰ درجات میں سے ہے۔

ادائیگی قرض کے وقت قرض لینے والے کے لیے دُعا

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا۔ جب آپ ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ نے وہ قرض ادا کردیا، اور فرمایا:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَآءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَآءُ)) [2]

''برکت عطا فرمائے اللہ تیرے لیے تیرے اہل وعیال اور تیرے مال و دولت میں۔قرض کا صلہ تو صرف اور صرف شکریہ اور ادائیگی ہی ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

اِنَّمَا جَزَآءُ : ......مقابل؛ بدلہ۔

السَّلَفِ : ......قرض۔

الْحَمْدُ : ......تعریف،شکر۔

وَالْاَدَآءُ : ......ادائیگی،قرض کی واپسی۔

---

[1] بخاری: ۱۹٤٤.　[2] صحیح سنن ابن ماجه : ٤٦٨٣.

شــرح : ......راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا۔ جب آپ ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ نے وہ قرض ادا کر دیا، اور فرمایا: ''برکت عطا فرمائے اللہ تیرے لیے تیرے اہل وعیال اور تیرے مال و دولت میں۔قرض کا صلہ تو صرف اور صرف شکریہ اور ادائیگی ہی ہے۔'' کہ آپ شکریہ کے ساتھ قرض دینے والے کا قرض ادا کریں، اور اس کے حسن سلوک پر اس کی تعریف کریں۔ اور اس کے مال و دولت میں برکت کے لیے دعا کریں۔

فوائدِ حدیث:

۱۔ امانت اور قرض ان کے اصل لوگوں کو واپس لوٹانے کی ترغیب۔

۲۔ مقروض کا قرض ادا کرتے وقت قرض دہندہ کا شکر ادا کرنا اور اس کے اہل و مال میں برکت کے لیے دعا کرنا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی اپنے صحابہ کرام کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ لین دین۔

شرک سے خوف کی دعا

حضرت ابو علی رضی اللہ عنہ - بنی کاھل کے ایک فرد - سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: ایک دن ہم میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! شرک سے بچ کر رہو، بے شک شرک [زمین پر] کالی چیونٹی [کی حرکت] سے بھی زیادہ مخفی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن حزن اور قیس بن مضارب رضی اللہ عنہما کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم یا تم ہمارے لیے اس چیز کو بیان کرو گے، یا ہمیں اجازت ملے یا نہ ملے ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کریں گے۔ آپ نے فرمایا: '' بلکہ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان خطبہ دیا، اور ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! شرک سے بچ کر رہو، بے شک شرک [زمین پر] کالی چیونٹی [کی

حرکت] سے بھی زیادہ مخفی ہے۔'' پھر آپ سے ایک آدمی نے کہا؛ جس کا اللہ کو منظور تھا کہ وہ کہے : [اس نے کہا: یارسول اللہ !]: پھر ہم اس سے کیسے بچ پائیں گے جب کہ وہ [زمین پر] کالی چیونٹی [کی حرکت] سے بھی زیادہ مخفی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تم کہو:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَآ اَعْلَمُ)) ❶

''الٰہی ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ میں شریک ٹھہراؤں تیرا (کسی کو) جب کہ میں جانتا بھی ہوں اور میں بخشش مانگتا ہوں تجھ سے ان غلطیوں کی جنہیں میں نہیں جانتا۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

یہ کہنا کہ : (''اے لوگو! شرک سے بچ کر رہو......) :شرک کی دو اقسام ہیں : شرک اکبر اور شرک اصغر۔

شــرك اكبــر: ...... ہر وہ چیز جس پر شارع نے شرک کا اطلاق کیا ہو۔ اوراس سے انسان کا دین سے خروج لازم آتا ہو۔

شـرك اصغر : ...... ہر وہ عمل خواہ قولی ہو یا عملی؛ مگر شریعت نے اس کے لیے شرک کا وصف بیان کیا ہو۔ مگر اسکی وجہ سے ملت سے خروج لازم نہ آتا ہو۔

حق بات تو یہ ہے کہ شرک اکبر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے متعین عبادات میں کسی عبادت کو غیر اللہ کے لیے کیا جائے۔ جب کہ شرک اصغر ہر قولی اور فعلی یا ارادی وسیلہ جو کہ شرک اکبر تک پہنچنے کا وسیلہ بن سکتا ہو۔ لیکن خود عبادت کے رتبہ تک نہ پہنچتا ہو۔

(کالی چیونٹی [کی حرکت]):اس سے مراد زمین پر اس کا چلنا ہے۔

---

❶ أخرجه أحمد ١٩٦٠٦ ـ وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: ٣٦.

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ :......اس میں احتمال یہ ہے کہ ہر دن یہ کلمات کہے جائیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے جب بھی انسان کے سامنے اس قسم کا کوئی سبب پیش آئے تو وہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ اس لیے کہ شرک سے آپ کو وہی بچا سکتا ہے جو پوری خلقت کا ولی اور کارساز ہو۔ جب آپ اس سے پناہ طلب کریں گے، وہ آپ کو پناہ دے گا۔ اس لیے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی التجاء پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رسوا نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی لیے پناہ مانگنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ تا کہ انسان ایسے اسباب کی طرف مائل نہ ہو، اور کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ جب بھی انسان اس معاملہ میں سستی برتے گا، وہ نقصان کا شکار ہوگا۔ یہاں تک کہ لاشعوری کے عالم میں اس کے عقل سے ایمان وعقیدہ ختم ہوتا جائے گا، اور انسان کفر کا ارتکاب کر بیٹھے گا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے رہا کریں تا کہ یقین کا نور ہمارے دل میں جگمگا تا رہے۔

فوائدِ حدیث:

① انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور شرک سے بچتا رہے۔
② شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک اکبر اور شرک اصغر۔
③ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم اپنے اقوال و افعال کا خیال رکھیں تا کہ ہم سے کوئی شرکیہ قول یا فعل صادر نہ ہو جائے۔

بدشگونی کی ناپسندیدگی کی دُعا

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس کسی کو بدشگونی اس کی حاجت سے روک دے، اس نے شرک کیا۔‘‘ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یوں کہو:

((اَللّٰھُمَّ لَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُكَ وَلَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُكَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُكَ)) [1]

''اے اللہ! ہر قسم کی بدشگونی و بدفالی تیرے ہی حکم کے تابع ہے اور نہیں ہے کوئی بھلائی مگر تیری ہی بھلائی (یعنی تیری ہی مشیت سے) اور نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

بدشگونی:...... ''ایک خاص قسم کی بدشگونی تھی، جو پرندہ اڑا کر لی جاتی تھی۔ اسے طیرہ کہتے تھے۔

کفارہ:...... جس سے گناہ معاف ہو جائیں۔

لَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُكَ:...... ''کوئی شگون نہیں، مگر تیری جانب سے۔'' اس لیے کہ پرندہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہے۔ وہ نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔ بلکہ نفع ونقصان دینے والا وہ ایک اللہ تعالیٰ ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُكَ:...... یعنی تیرے علاوہ کسی سے بھی خیر کی امید نہیں رکھی جاسکتی، اور نہ ہی کسی سے اس کے حصول کے لیے کوشش کی جاسکتی ہے۔

شرح: ''الطیرۃ'' پرندوں سے فال اور بدشگونی لینے کو کہا جاتا ہے۔ اہل جاہلیت نے جس طرف جانا ہوتا تو اس طرف پرندہ اڑاتے۔ اگر وہ پرندہ اسی سمت جاتا تو اسے معتبر سمجھتے۔ ورنہ بدشگونی لیتے۔ اس لیے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ پرندہ نفع یا نقصان دے سکتا ہے۔ جب وہ اس عقیدہ پر موجب عمل کرتے تو یہ عمل شرک کا ارتکاب ہوتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس عمل کو شرک کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ جس چیز سے بدشگون لیتے اسے برائی پہنچنے میں بھی مؤثر سمجھتے تھے۔

---

[1] صحیح الجامع: ۱۱۲۰۹.

صحابہ کا یہ سوال کرنا: ''اس کا کفارہ کیا ہے؟'' اس سے مراد ہے کہ وہ کون سی چیز یا خصلت ہے جس کی بنا پر یہ گناہ دھل جائے، اوراس کا اثر ختم ہو جائے۔

وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ : ......یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو نفع دے سکے یا نقصان سے بچا سکے۔ اپنی مخلوق کے تمام امور کا مدبر ومتصرف وہی ہے۔ وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

فوائدِ حدیث:

① حدیث رسول اللہ ﷺ کی رو سے پرندوں سے فال لینا شرک ہے۔

② ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ پر اعتماد وتوکل کرنا چاہیے۔

③ نفع اور نقصان دینے والا صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں۔

تیز ہوائیں چلنے پر دُعا

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب تیز ہوائیں اٹھتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا أَرْسَلْتَ بِهٖ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا، وَ شَرِّ مَا أَرْسَلْتَ بِهٖ)) [1]

''اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اس کی بھلائی کا، اور اس بھلائی کا جو اس میں موجود ہے؛ اور اس چیز کی بھلائی کا جو دیکر اسے بھیجا گیا ہے۔ اور تیری پناہ میں آتا ہوں اس کے شر سے اور اس کے شر سے جو کچھ اس کے اندر ہے؛ اور اس چیز کے شر سے جو دیکر اسے بھیجا گیا ہے۔''

---

[1] مسلم: ۸۹۹.

مشکل الفاظ کے معانی :

اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا: ......اس کی ذات کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔

وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا : ......اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔

شرح : ......جب تیز ہوائیں اٹھتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعا کرتے :

((اللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا أَرْسَلْتَ بِهٖ ؛ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا ؛ وَ شَرِّ مَا أَرْسَلْتَ بِهٖ))

یعنی اے اللہ میں تجھ سے ان ہواؤں کی ذات میں موجود خیر کا اور ان سے حاصل ہونے والی منفعتوں کا سوال کرتا ہوں۔اور جس چیز کو دیکر یہ ہوائیں چلائی گئی ہیں، ان کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔اس لیے کہ خیر ساری کی ساری تیرے ہاتھ میں ہے، اور شر کو تیری طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

اس دعا میں تین قسم کی بھلائیوں کا سوال کیا گیا ہے:

۱۔ بذات خود ان ہواؤوں کی بھلائی۔

۲۔ ان ہواؤں میں موجود بھلائی۔

۳۔ جو چیز ہوائیں لے کر آئی ہیں،اس کی بھلائی۔

خود ہوا کی بھلائی انسان کا اس سے لذت حاصل کرنا، گرمیوں کے دنوں میں اس کی ٹھنڈک کا احساس، اوراس کی وجہ سے نمی کا پیدا ہونا ہے؛ نباتات میں تازگی کا آنا اور گندی اور بدبودار چیزوں کا خاتمہ ہے۔ ہواؤں کے اندر موجود بھلائی: نفع بخش بارشوں کا نزول ہے۔اس لیے کہ جب بھی بارش برستی ہے،اس سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں۔

خیر دے کر بھیجی ہوئی چیز : بادل ہیں۔اس لیے کہ ایسی بھی ہوائیں چلتی ہیں جن میں نہ کوئی خیر ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی شر۔ ہواؤں کی خیر بھی نفع بخش بارش کی طرح ہے ؛ اوران کا

نقصان ضرر رساں بارشوں کی طرح ہے۔

ایسے اس دعا میں تین چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے جو کہ دعا میں مانگی جانے والی چیزوں کا عکس ہیں۔

فوائدِ حدیث:

۱۔ تیز ہوائیں چلنے کے وقت اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرنا۔ ان ہواؤں کی اور ان میں موجود چیزوں کی خیر اللہ سے مانگی جائے۔

۲۔ ان ہواؤں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا۔

۳۔ خیر اور شر کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ہر ایک چیز اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

بادل گرجنے پر دُعا

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت بند کر دیتے ؛ اور یہ دعا پڑھتے :

((سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلَائِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ))

”پاک ہے وہ ذات کہ تسبیح پڑھتی ہے گرج اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے (تسبیح کرتے ہیں) اس کے ڈر سے۔“

اور پھر فرماتے : بے شک زمین والوں کے لیے یہ بہت سخت وعید ہے۔“ [1]

مشکل الفاظ کے معانی :

الرعد:...... بادلوں کے ٹکرانے کی آواز۔

---

[1] صحيح الأدب المفرد : ٧٢٣.

شــرح : ......حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت بند کردیتے ؛ اور کہتے :

((سُبْحَانَ الَّذِي ﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾)) (الرعد : ۱۳)

''پاک ہے وہ ذات کہ :''جس کی تسبیح پڑھتی ہے گرج اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے (تسبیح کرتے ہیں) اس کے ڈر سے۔''

مراد یہ ہے کہ جب گرجنے کی آواز سنتے تو دوسروں کے ساتھ بات چیت ترک کردیتے اور اس آیت کی تلاوت کرتے۔حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''رعد'' اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،آپ فرماتے ہیں : یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے ،اور آپ سے سوال کیا کہ'' رعد'' (گرج) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بادلوں پر نگہبان فرشتہ ہے۔ اور اس کے ساتھ نور کے درے ہیں۔ان کے ساتھ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ فرشتہ بادلوں کو ہانک کر لے جاتا ہے۔ پھر کہنے لگے : یہ آواز جو ہم سنتے ہیں یہ کیسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ اس کا بادلوں پر توبیخ کرنا (ڈانٹنا) ہے۔وہ انہیں وہاں ہانک کر لے جاتا ہے جہاں کا اسے حکم ہوا ہے۔''

یہودی کہنے لگے:''آپ نے سچ فرمایا۔'' [1]

فوائدِ حدیث :

1. گرج کی آواز سنتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا، جیسا کہ آیت میں ہے۔
2. اللہ تعالیٰ کی قدرت اور انسانی کمزوری کی معرفت۔

---

[1] الصحيحة : ۱۸۷۲.

بارش طلب کرنے کی دُعائیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کچھ لوگ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے [اور خشک سالی کی شکایت کی تو] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مَّرِيْعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَآرٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ)) [1]

''اے اللہ تو ہمیں سیراب کر ایسی بارش سے جو مددگار، خوشگوار، سرسبز کرنے والی (اور) مفید ہو اور نقصان دہ نہ ہو، جلد ہو، نہ کہ دیر سے آنے والی۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

غَيْثًا: ...... بادل؛ بارش۔

مُّغِيْثًا: ...... یہ اغاثہ سے ہے۔ مراد ہے سیراب کرنے والی۔

مَّرِيْئًا: ...... ہلکی ہلکی؛ فائدہ مند۔

مَّرِيْعًا: ...... سرسبزہ لانے والی۔

شرح: ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ (عورتیں اور مرد) روتے ہوئے اور خشک سالی کی شکایت کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ تو ہمیں سیراب کر ایسی بارش سے جو مددگار، خوشگوار، سرسبز کرنے والی (اور) مفید ہو اور نقصان دہ نہ ہو، جلد ہو، نہ کہ دیر سے آنے والی۔'' ☆

فوائدِ حدیث:

☒ انبیاء اور صالحین سے دعا کروانے کا جواز۔

---

[1] صحيح سنن ابي داؤد: ١١٦٩.

☆ [اسی وقت آسمان پر بادل چھا گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے بدلی کا ایک ٹکڑا بھی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آسمان سارا بادلوں میں چھپ گیا۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ کھیت و کھلیان سیراب ہو گئے، اور وادیاں پانی سے بھر گئیں۔]

۲ نبی کریم ﷺ کا معجزہ۔
۳ دنیا اور آخرت کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔

چاند دیکھنے کی دُعا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ جب ہلال (چاند) دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَ التَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ رَبَّنَا وَتَرْضٰى، رَبُّنَا وَ رَبُّكَ اللّٰهُ)) [1]

''اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ تو طلوع فرما اسے ہم پر امن اور ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جس کو پسند کرتا ہے۔ اے ہمارے رب اور (جس سے) تو راضی ہوتا ہے، اے چاند! ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے۔''

مشکل الفاظ کے معانی:

هلال: ......پہلی دوسری اور تیسری کا چاند۔
اَهِلَّهٗ: ......ہم پر طلوع کر، یا ہمیں دیکھا۔
بِالْاَمْنِ: ......یعنی آفات اور مصائب سے امن اور سلامتی۔
وَالْاِيْمَانِ: ......یعنی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ۔
وَالسَّلَامَةِ: ......دین اور دنیا کی آفات سے سلامتی۔

شرح: ......ہلال پہلی دوسری اور تیسری رات کے چاند کو کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد

---

[1] صحيح سنن الترمذي: ٣٤٥١.

''قمر'' کہا جاتا ہے۔ پہلی کے چاند کو ہلال اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کو دیکھنے پر لوگ آواز بلند کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو نیا چاند نظر آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔

اَهِلَّهُ : ...... معنی یہ ہے کہ اس چاند کے دیدار کو ہمارے لیے ایسا کر دے کہ اس کے ساتھ امن اور ایمان بھی ملے ہوئے ہوں۔

وَرَبُّكَ اللّٰهُ : ...... تیرا رب اللہ ہے۔ اس جملہ میں نئے چاند سے خطاب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی شریک سے منزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی بھی چیز اس کی مخلوق میں اس کا شریک نہیں ہوسکتی۔

علامہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ "الکلم الطیب" میں اس حدیث پر اپنی تعلیق میں ارشاد فرماتے ہیں: بہت سارے لوگ چاند دیکھ کر دعا کرتے ہوئے ایسے چاند کی طرف رخ کرتے ہیں؛ جیسے کچھ لوگ دعا کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کام جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں ایک اصول مقرر ہے کہ دعا میں بھی رخ اسی طرف کیا جائے گا جس طرف نماز میں کیا جاتا ہے (یعنی قبلہ کی طرف)۔ اس بارے میں سب سے بہترین چیز وہ ہے جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں: '' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''تم میں کوئی ایک جب چاند دیکھے تو چاند کی طرف اپنا چہرہ نہ اٹھائے۔ بلکہ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کہے: ((رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ)) ''میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چاند دیکھنے کے لیے کھڑا ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن اتنا کہتے تھے: **اَللّٰهُ اَكْبَرُ**

فوائدِ حدیث:

(۱) چاند دیکھنے پر اس دعا کی مشروعیت۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے دعا اور مدد کی طلب۔

فکرمندی اور غم کی دُعائیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کو کوئی غم اور پریشانی ہرگز نہیں پہنچتی مگر وہ یہ دعا کرتا ہے:

بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي ،وَنُورَ صَدْرِي وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي)) [1]

''اے اللہ یقیناً میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے ہی بندے اور تیرے ہی کنیز کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، نافذ ہے مجھ پر تیرا ہی حکم، مبنی بر انصاف ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ، میں تیرے ہر اس خاص نام کے ذریعے سے تجھ سے التجا کرتا ہوں جو تو نے خود نام رکھا ہے اس کے ساتھ اپنا یا نازل فرمایا ہے اسے اپنی کتاب میں یا سکھایا ہے تو نے اسے کسی کو اپنی مخلوق میں سے یا خاص کیا ہے تو نے اسے کسی کو اپنی مخلوق میں سے یا خاص کیا ہے، تو نے اس کو علم غیب میں اپنے پاس (رکھنے کو) (میں درخواست کرتا ہوں) یہ کہ بنادے تو قرآن مجید کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور اور میرے غموں کا علاج اور میری پریشانیوں کا تریاق۔''

مگر اللہ تعالیٰ اس کے غم کو ختم کر دیتے ہیں، اور تنگی و پریشانی کی جگہ وسعت آ جاتی ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا : یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم لوگوں کو یہ دعا نہ سکھائیں ؟

---

[1] الصحيحة : ١٩٩.

آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں ؛ جو بھی اس دعا کو سنے، اسے چاہیے کہ وہ آگے سکھائے۔''

مشکل الفاظ کے معانی :

مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ : ......یعنی مجھ پر تیرا حکم نافذ ہونے والا ہے۔حکم چلنے والا ہے۔

عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ : ......اور میرے متعلق تیرا فیصلہ عدل پر مبنی ہے خواہ وہ جیسے بھی ہو۔

بِكُلِّ اسْمٍ : ......یعنی بحق کل اسم، ہر نام کے وسیلہ سے۔

رَبِيعَ قَلْبِي : ......میرے دل کی خوشی اور سرور۔

شرح: اِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ : ......اس میں تذلل کا اظہار اور خضوع ہے اور اس کے ساتھ ہی عبودیت کا اعتراف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ یہ فرماتے کہ ((اِنِّي عَبْدُكَ)) ''میں تیرا بندہ ہوں'' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ نے یہ بھی فرمایا: ((وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ)) '' اور میں تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری باندی کا بیٹا ہوں۔'' ایسے کہنے میں تذلل اور خضوع کے اظہار میں زیادہ بلیغ انداز ہے۔ اس لیے کہ جو کوئی کسی انسان کا مالک بن جائے، وہ اس کی طرح نہیں ہوتا جو اس کے ساتھ ہی اس کے والدین کا بھی مالک ہو۔

حدیث کے الفاظ: ((نَاصِيَتِي بِيَدِكَ)): میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے نافذ ہونے سے کنایہ ہے۔یعنی وہ اس کی قدرت اور غلبہ کے تحت ہے۔

اور یہ کہنا: ((مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ)) تیرا حکم مجھ پر نافذ ہونے والا ہے۔ (اس سے کوئی حیل و حجت اور راہِ فرار نہیں ہے)۔

یہ اعتراف کہ: ((عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ)): یعنی ہر وہ چیز جس کا فیصلہ تو میرے متعلق کرے گا وہ عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ عدل تیری صفت ہے ؛ اور ظلم تجھ پر محال ہے۔عدل کہتے ہیں: کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا۔اور ظلم کسی چیز کو اس کی نا مناسب جگہ

پر رکھنا۔

یہ الفاظ: ((اَسْئَلُكَ)): میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔دعا کے شروع میں خشوع و خضوع اور تذلل کا اظہار تھا۔ یہ سوال کرنے والوں کے آداب میں سے ہے۔ یہ حالت سوال کا جواب ملنے کے زیادہ قریب کی ہے۔ خاص طور پر جب مسؤل (جس سے سوال کیا جا رہا ہو) وہ کریم اور مہربان بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ جب اس کے سامنے گریہ وزاری کی جائے، خضوع و تذلل کا اظہار کیا جائے، اور پھر اس سے سوال کیا جائے تو وہ فوری طور ویسے ہی پر پورا ہوگا جیسے اس کی شان و کرم اور سخاوت کے لائق ہے۔

بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ: ......یعنی تیرے ہر نام کے وسیلہ سے۔ جو نام تیرے لیے ہے۔ اس میں غیر اللہ کے اسماء سے احتراز و اجتناب ہے۔ اس لیے کہ غیر اللہ کے نام پر قسم اٹھانا (اور سوال کرنا) جائز نہیں، [بلکہ حرام ہے]۔

سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ: ......یہ اپنے سے پہلے جملہ کی تفسیر ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہی نام ہوسکتا ہے جو اس نے اپنے لیے رکھا ہو، (کوئی غیر اللہ کا نام نہیں رکھ سکتا۔)

اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ: ......یعنی اپنے انبیاء کرام میں سے کسی ایک نبی پر اپنی کسی کتاب میں نازل کیا ہو۔ [یہ اشارہ ہے کہ دوسرے سماوی ادیان میں بھی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔شفیق]

اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ: ......خلق سے مراد اللہ کے انبیاء و مرسلین اور ملائکہ ہیں۔

اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ: ......یا اسے علم الغیب میں اپنی ذات کے لیے خاص کر رکھا ہو۔ اور اس کو تیرے علاوہ کوئی ایک بھی نہ جانتا ہو۔اور نہ ہی کسی کو اس کے متعلق اطلاع ہوسکے۔ یہ سب تقسیم ہے اس فرمان کی ((بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ)) ''ہر اس نام کے وسیلہ سے جو تیرے لیے ہو۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جو اسماء مبارکہ اپنی کتاب میں یا اپنے نبی کریم ﷺ کی زبانی بیان کیے ہیں، ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء

ہیں۔اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ:''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ......'' یہ حصر (گنتی کے بیان) کے لیے نہیں۔

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ : ......یعنی قرآن کو میرے دل کا سرور اور خوشی بنا دے۔ اور اسے میرے دل کے لیے بہار بنا دے۔ اس لیے کہ جب بہار کا موسم آتا ہے تو انسان کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اور اس کی طرف دل کا میلان ہوتا ہے۔ اور اس کے غم و پریشانیاں ختم ہوجاتی ہیں۔انسان کے دل میں چستی، نشاط اور سرور آجاتا ہے۔

وَنُوْرَ صَدْرِیْ : ......میرے سینے کا نور۔ یعنی میرا سینہ کھل جائے۔ جب انسان کا سینہ کھل جاتا ہے تو روشن ہوجاتا ہے۔

وَجَلَاءَ حُزْنِیْ : ......یعنی میرے حزن وملال کے ختم ہونے کا ذریعہ بنادے۔

وَذَهَابَ هَمِّیْ : ......یعنی مجھ سے میرے غموں کے خاتمہ کا وسیلہ بنادے۔اس حدیث کے آخر میں آتا ہے کہ جب انسان ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے غموں اور پریشانیوں کو ختم کردیتے ہیں، اوران کو خوشی اور سرور اور وسعت سے بدل دیتے ہیں۔

فوائدِ حدیث:

۱۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جو اسماء مبارکہ اپنی کتاب میں یا اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان سے بیان کیے ہیں، ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ:''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ......'' یہ حصر (گنتی کے بیان) کے لیے نہیں۔

۲۔ ہمیشہ کے لیے اللہ کی بارگاہ میں التجاء وگریہ زاری پریشانیاں ختم ہونے کا ذریعہ ہے۔

بے قراری اور بے چینی کی دُعائیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کام کا غلبہ ہو جاتا تو آپ ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تھے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ)) [1]

"نہیں کوئی معبود مگر اللہ بہت عظمت والا بڑا بردبار، نہیں کوئی معبود مگر اللہ رب عرشِ عظیم کا، نہیں کوئی معبود مگر اللہ (جو) رب (ہے) آسمانوں اور رب ہے زمین کا اور رب عرشِ کریم کا۔"

مشکل الفاظ کے معانی :

الْعَظِيْمُ : ......عظمت والا، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

الْحَلِيْمُ : ......بردبار؛ معاف کرنے والا؛ صفتِ الٰہی۔ وہ ہستی جسے بندوں کے افعال میں سے کوئی بھی فعل ناراض نہ کرے، اور نہ ہی ان پر غضبناک کرے۔ مگر اس نے ہر ایک چیز کی ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے۔ جو کہ اس کا احسان ہے۔

رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ : ......کریم؛ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اس کا معنی ہے، سخی، دینے والا، جس کی عطائیں کبھی ختم ہونے والی نہ ہوں۔ وہی کریمِ مطلق اور ہر قسم کی خیر، شرف اور فضل کو جمع کرنے والا ہے۔

شرح: ......جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معاملہ ایسا پیش آتا تو آپ یہ دعا کیا کرتے تھے۔

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ : ......عظمت والے بڑے عرش کا رب۔ عظیم عرش کی

---

[1] بخاری: ٦٣٤٦ـ مسلم: ٢٧٣٠.

صفت ہے۔ [اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت حلیم بیان ہوئی ہے] علماء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''حلیم وہ ہے جو قدرت ہونے کے باوجود سزا دینے میں تاخیر کرے (مہلت دے)۔اور عظیم وہ ہے جس کی عظمت ہر ایک پر ہو، اور اس کے سامنے کوئی چیز اس سے بڑی نہ ہو۔اور کریم کا معنی ہے مہربان نوازنے والا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس دعا کو رب ذوالجلال کی تعریف سے شروع کیا، تاکہ پریشانیاں اور مشکلات دور کرنے کے لیے مناسب ہو۔ اس لیے کہ ربوبیت کا تقاضا یہی ہے۔اس میں کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' لایا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی وحدانیت پر مشتمل ہے۔اللہ تعالیٰ کی اصلی تنزیہ اور تقدیس یہی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے، جو کہ اس کی قدرت کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حلم (بردباری) کا بیان ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی دلیل ہے۔اس لیے کہ جاہل سے عفو و درگزر بردباری اور جود و کرم کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ دونوں صفات اکرام کی اصل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں آیا ہے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيْمُ الْعَظِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ))

اور اس ایک روایت میں اس کے شروع میں '' اَلْحَلِيْمُ الْعَظِيْم '' کے الفاظ بھی ہیں۔

اور ایک روایت یوں ہے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ))

اور ایک روایت یوں ہے:

(لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ))

یہ تمام روایات امام نسائی نے نقل کی ہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان کہ: ''دعا کیا کرتے تھے'' جب کہ اس ذکر میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت بیان کی گئی ہے، اس میں دو باتوں کا احتمال ہے:

1. یہ ذکر دعا سے پہلے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ یوسف بن عبداللہ بن الحارث کی روایت میں ہے۔ اس کے آخر میں ہے: پھر دعا کیا کرتے۔ میں کہتا ہوں ایسے مستخرج ابی عوانہ میں بھی ہے اور مسند عبد بن حمید میں بھی۔ ادب المفرد میں اس دعا کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّهُ))

''اے اللہ اس کے شر کو مجھ سے پھیر دے۔''

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کی تائید اعمش کی روایت سے بھی ہوتی ہیں جس میں کہا گیا ہے: جب انسان دعا سے پہلے ثنا سے شروع کرتا ہے، تو وہ دعا قبول ہوتی ہے؛ اور جب ثنا سے پہلے دعا سے شروع کرتا ہے تو وہ امید پر (معلق) رہتی ہے۔''

2. ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ حسین بن حسن المروزی فرماتے ہیں: میں نے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن کثرت کے ساتھ ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ)) کا ذکر کیا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا: یہ ذکر ہے، دعا نہیں ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''جس کو میرا ذکر مانگنے سے مشغول کر دے، میں اسے مانگنے والوں سے بڑھ کر دیتا ہوں۔''

میں کہتا ہوں اس دوسرے احتمال کی تائید سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث

سے بھی ہوتی ہے؛ جس میں ہے: ''حضرت یونس علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی، وہ یہ ہے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيْمُ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ))

بے شک کوئی بھی مسلمان ان کلمات کے ساتھ جب بھی اپنے رب سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتے ہیں۔ (اسے امام ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: ایک آدمی نے سوال کیا: کیا یہ دعا خاص حضرت یونس علیہ السلام کے لیے تھی یا تمام مؤمنین کے لیے عام ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور ایسے ہی ہم مؤمنین کو نجات عطا کرتے ہیں۔''

امام ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم سے ابو بکر الرازی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں اصفہان ابی نعیم کے پاس حدیث لکھتا تھا؛ وہاں پر ایک شیخ تھا اسے ابو بکر بن علی کہا جاتا تھا، اسی پر فتوی کا دار و مدار تھا۔ اس کے متعلق حاکم کے پاس شکایات کی گئیں، اور اس کو قید کر دیا گیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا؛ آپ کے دائیں جانب حضرت جبریل تھے؛ جو مسلسل تسبیح کہتے ہوئے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: ابو بکر بن علی سے کہو کہ بخاری میں موجود ''دعاء کرب'' پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس پریشانی کو ختم کر دے۔

جب صبح ہوئی تو میں نے انہیں اس دعا کے بارے میں خبر دی۔ بس اس کے بعد تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات عطا کر دی۔''

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الفرج بعد الشدۃ'' میں عبدالملک بن عمیر کی

سند سے روایت نقل کی ہے؛ وہ کہتے ہیں: ولید بن عبد الملک نے عثمان بن حیان کی طرف خط لکھا کہ حسن ابن حسن کو لوگوں کے سامنے سو کوڑے لگائے جائیں۔ راوی کہتا ہے: حسن بن حسن کی طرف آدمی بھیج کر بلایا گیا تو حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے میرے چچا زاد! ''دعا فرج'' [کشادگی/نجات] کے کلمات سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو بچا لے۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس میں ہے: انہوں نے دعا کی۔ جب عثمان نے آپ کی جانب اپنا سر اٹھایا تو کہا: میں دیکھتا ہوں کہ اس آدمی کے متعلق جھوٹ بولا گیا ہے۔ اس آدمی کو چھوڑ دو، اور میں امیر المؤمنین کو عذر لکھ بھیجتا ہوں۔'' اور آپ کو چھوڑ دیا گیا۔

نسائی میں روایت ہے: جب عبد اللہ بن جعفر نے اپنی بیٹی کی شادی کی تو اس سے کہا: جب تمہیں کوئی پریشانی پیش آئے تو قبلہ رخ ہو کر یہ دعا کرنا:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، سُبْحَانَهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ))

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حجاج نے میری گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے، میں نے یہ دعا کی، تو حجاج نے کہا: ''اللہ کی قسم میں نے تیری طرف آدمی اس لیے بھیجے تھے کہ میں تجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔ اور آج کے دن تو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہو گیا ہے۔'' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے کہا: ''اب آپ اپنی ضرورت کے متعلق سوال کریں۔''

ایسے ہی سنن ترمذی میں پریشانی کے اوقات کی دعاؤں میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''میں تجھے ایسے کلمات سکھاتا ہوں جو کہ تم پریشانی کے وقت کہا کرو۔ [وہ کلمات یہ ہیں]:

((اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا))

''اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''

امام طبری نے ابن ابی جوزاء سے روایت کیا ہے انہوں نے ابن عباس سے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔

ابو داؤد کی روایت ہے جسے امام حاکم نے صحیح کہا ہے: پریشان حال کی دعاؤں میں ہے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا ، وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، اَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))

''اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں؛ اور نہ سپرد کر مجھے اپنے نفس کے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی۔ میرے سب کام سنوار دے؛ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''

فوائدِ حدیث:

1. سختی اور پریشانی کے وقت انسان کے لیے اس دعا کی مشروعیت۔
2. اللہ کی بارگاہ میں گریہ وزاری، اس لیے کہ اس کے علاوہ نجات دینے والا کوئی نہیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ